تاریخ دعوت و عزیمت

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی ؒ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ چہارم

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ دعوت وعزیمت

حصہ چہارم

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ - اگست ۲۰۰۵ء

نام کتاب: تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم)

نام مصنف: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صفحات: ۴۴۸

تعداد: ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

طباعت: کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

قیمت: ۷۰/روپے

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پتہ: پوسٹ باکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

فیکس نمبر: 0522-2740806

ای۔میل: info@airpindia.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

(سورۂ فاطر ـ ۳۲)

فہرست عناوین

"تاریخ دعوت و عزیمت حصۂ چہارم"

دیباچہ طبع دوم ۱۱
عرض مدعا ۱۵

باب اوّل ۷۳-۲۷
عالم اسلام دسویں صدی میں

دسویں صدی ہجری کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت ۲۷
سیاسی حالت ۲۸
مذہبی و روحانی حالت ۳۴
علمی حالت ۴۳
ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال ۴۸
مہدویت ۵۶
بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب ۶۱
دسویں صدی کا فتنۂ اکبری
"الف ثانی" سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ ۶۵
الف ثانیؒ کا مغالطہ ۶۵

باب دوم ۱۳۲-۷۴
اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی ۷۴
اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی ۸۰
مذاہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر ۸۲
اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علمائے دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری ۸۹
علمائے دربار ۹۱
ارکان سلطنت و مشیران دربار ۹۵
ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل ۹۶
راجپوت رانیوں کا اثر ۱۰۷
محضر اجتہاد و امامت ۱۰۸
محضر پر ایک نظر ۱۰۹
مخدوم الملک و صدر الصدور کا زوال ۱۱۰
الف ثانی کی تیاری اور دین الٰہی کا اجرا ۱۱۱
اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطۂ عروج ۱۱۴
آتش پرستی ۱۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آفتاب پرستی	۱۱۵
گنگا جل	۱۱۶
تصویر کشی	۱۱۷
اوقاتِ عبادت	۱۱۸
سجدۂ تعظیمی	۱۱۸
بیعت و ارشاد	۱۱۸
آدابِ ملاقات	۱۱۹
تاریخ ہجری سے تنفّر	۱۱۹
غیر اسلامی تہوار اور عیدین	۱۲۰
فرمان در منع زکوٰۃ	۱۲۲
ہندو موحّد ہیں	۱۲۵
گوشت خوری	۱۲۵
خنزیر	۱۲۶
شراب نوشی	۱۲۶
رسم ہندوانہ	۱۲۷
سنینِ الٰہی کا اجرا	۱۲۷
دینِ اسلامی کی تحقیر	۱۲۸
اسراء و معراج کا استہزاء	۱۲۹
مقامِ نبوت کی اہانت	۱۲۹
اسمائے نبوی سے وحشت و گرانی	۱۳۰
نماز کی عدم اجازت	۱۳۰
ارکانِ اسلام کی توہین و استہزاء	۱۳۱
ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ	۱۳۱

باب سوم
حضرت مجدد الف ثانیؒ
حالات زندگی از ولادت تا خلافت ۱۳۳ / ۱۵۷

خاندان	۱۳۳
حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد	۱۳۹
ولادت و حالات	۱۴۴
ولادت و تعلیم	۱۴۴
سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت و استفادہ	۱۴۷
حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہ)	۱۴۹
بیعت و تکمیل	۱۵۴
حضرت مجدّد کے علوِ مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے	۱۵۶

باب چہارم
اہم واقعات و حالات، ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وفات ۱۵۸ / ۱۹۰

سرہند کا قیام	۱۵۸
لاہور کا سفر	۱۵۹
تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات اور رجوعِ عام	۱۶۰
سلطانِ وقت جہانگیر کا رویہ	۱۶۲
گوالیار کی اسیری کے اسباب	۱۶۶

قلعۂ گوالیار کی نظر بندی	۱۶۸
زندان گوالیار میں سنّتِ یوسفی	۱۶۹
دورانِ اسیری کی نعمتیں اور لذتیں	۱۷۱
لشکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات و برکات	۱۷۳
جہانگیر پر اثر	۱۷۵
قربِ سفر اور اس کے انتظامات	۱۷۶
عادات و معمولات	۱۸۰
حلیۂ مبارک	۱۸۷
اولاد امجاد	۱۸۸

باب پنجم
حضرت مجدد کے دائرۂ "تجدید" کا مرکزی نقطہ نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید ۱۹۱ / ۲۴۲

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟	۱۹۱
نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر اعتماد کی بحالی	۱۹۵
عقل و کشف کا غیبی اور مابعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہنا	۱۹۸
بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ	۲۰۰
عقل محض اور کشف خالص کی تنقید کا انقلابی کارنامہ	۲۰۱
عقل کا عجز صانعِ عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں	۲۰۷
معرفتِ الٰہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں	۲۰۸
عقل حقائقِ دینی کے ادراک میں ناکافی ہے	۲۱۴
نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے	۲۱۵
عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں	۲۱۶
اہل اشراق و صفائی نفس	۲۲۰
شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول	۲۲۲
عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں۔	۲۲۴
کشف میں آمیزش	۲۲۵
فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد	۲۲۶
بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں	۲۳۰
انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا	۲۳۰
بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔	۲۳۱
اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔	۲۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح ترتیب ۲۳۳

انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے ۲۳۳

انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے ۲۳۴

مخالفِ عقل اور ماوراءِ عقل میں بڑا فرق ہے ۲۳۵

خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے ۲۳۵

جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے ۲۳۶

مقام نبوت ۲۳۶

انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی ہے ۲۳۹

انشراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہِ خلق توجہِ حق سے مانع نہیں ہوتی ۲۳۹

نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ ۲۴۰

"اولیاء کی ابتدا انبیاء کی انتہا ہے" کے مقولہ کی تردید ۲۴۰

انبیاء نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے ۲۴۱

نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے ۲۴۱

کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۲۴۲

علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ ۲۴۲

انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے ۲۴۳

ایمان بالغیب انبیاءؑ ان کے اصحاب اور علماء و عام مومنین کا حصہ ہے ۲۴۴

انبیاء کی بازگشت کامل نہایۃ النہایۃ تک پہونچ جانے کی علامت ہے ۲۴۵

شریعت کی حمایت و نصرت، اصلاحِ عقائد اور ردّ شرک و رسومِ جاہلیت ۲۴۵

تعظیم مراسم شرک ۲۵۹

غیر اللہ سے استمداد و طلبِ حوائج ۲۶۰

سیتلا ۲۶۰

کافروں کے تہواروں کی تعظیم اور اُن کی رسوم و عادات کی تقلید ۲۶۱

بزرگوں کے لئے حیوانات کی نذر اور ذبح کرنا ۲۶۱

پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنا ۲۶۲

سنت کی ترویج اور بدعت حسنہ کی تردید ۲۶۴

باب ششم

وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود؟ ۲۷۳ / ۳۰۲

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تفصیل و تدوین ۲۷۳

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید ۲۷۵

عقیدۂ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج ۲۷۹

عقیدۂ وحدۃ الوجود ہندوستان میں ۲۸۲

شیخ علاء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت ۲۸۳

وحدۃ الشہود ۲۸۴

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت ۲۸۶

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ ۲۸۷

ذاتی تجربہ و مشاہدہ ۲۸۸

توحید شہودی ۲۹۲

شیخ اکبر کے بارے میں منصفانہ و معتدل مسلک ۲۹۴

توحید وجودی کی مخالفت کی ضرورت ۲۹۵

مجدد صاحب کی انفرادیت و امتیاز ۲۹۹

مجدد صاحب کے بعد توحید وجودی کے بارے میں مشائخ و علماء کا "مصالحانہ" رویہ ۳۰۰

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر ۳۰۱

باب ہفتم

اکبر سے جہانگیر تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جد و جہد ۳۰۳ / ۳۶۹

عہد اکبری و جہانگیری کے جرأتمند اور حق گو علماء و مشائخ ۳۰۳

جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحب کے اصلاحِ سلطنت کے کام کا آغاز ۳۰۷

صحیح طریقۂ کار ۳۰۹

ہر چہ از دل برخیزد بر دل ریزد ۳۱۴

امرائے سلطنت کے نام تحریضی و دعوتی خطوط ۳۱۵

گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے ۳۲۵

عقیدتمند ارکانِ سلطنت اور ان سے خط و کتابت ۳۲۷

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر اور فیض ۳۲۸

جہانگیر کا تأثر ۳۲۹

شاہجہاں کا دور ۳۳۱

شاہزادہ داراشکوہ ۳۳۴

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حمیت و حمایت ۳۳۵

حضرت مجدد کی مخالفت و تضلیل کی تحریک اور اس کے نمایاں افراد ۳۵۰

باب ہشتم

حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی توسیع و تکمیل ۳۷۰ / ۴۰۴

مشاہیر خلفاء ۳۷۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ محمد معصوم	۳۷۲
حضرت سید آدم بنّوری	۳۷۳
سلسلۂ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار	۳۷۵
حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی	۳۷۵
خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تک	۳۷۸
مرزا مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ غلام علی	۳۸۱
مولانا خالد رومی	۳۸۳
حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء	۳۸۷
حضرت شاہ عبد الغنی	۳۸۹
سلسلۂ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار	۳۹۲
حضرت سید شاہ علم اللہؒ اور ان کا خاندان	۳۹۳
شیخ سلطان بلیاوی	۳۹۵
حافظ سید عبد اللہ اکبرآبادی اور سلسلۂ ولی اللّٰہیہ	۳۹۵
حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت	۳۹۷
حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل	۴۰۰
اشاریہ (انڈکس) ترتیب از محمد غیاث الدین ندوی	۴۰۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبعِ دوم

الحمد للہ کہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصۂ چہارم کے (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ذاتِ گرامی، ان کے تجدیدی کارناموں اور اُن کے عہد کے ساتھ مخصوص ہے) طبعِ ثانی کی نوبت آرہی ہے، کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء میں نکلا تھا، موضوع کی اہمیت اور جس ذاتِ گرامی سے اس کا انتساب ہے، اور عہدِ حاضر میں اس سے جو رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، اس کے لحاظ سے اِس وقت تک جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں، اس کے متعدد ایڈیشن نکل جانے چاہیئے تھے، اور عالمِ عربی میں حقیر مصنّف کی تالیفات کی طباعت و اشاعت کی یہی رفتار ہے، لیکن ہندوستان میں سنجیدہ فکر انگیز اور خالص علمی و اصلاحی کتابوں کی اشاعت اور اُن کے نئے ایڈیشنوں کے نکلنے کی رفتار کو دیکھ کر یہ بات کچھ زیادہ موجبِ تعجّب و تأسّف نہیں۔

کتاب کی ترتیب و تصنیف ایسے زمانہ میں عمل میں آئی تھی، جب مصنّف اپنے ضعفِ بصارت اور مرض کی وجہ سے براہ راست تحریر و تسوید اور مسوّدات اور کتابت شدہ مضامین کی تصحیح و تنقیح سے بہت حد تک معذور و قاصر تھا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو اس بارہ میں زیادہ تر اپنے عزیز رفقاء اور معاونین پر اعتماد کرنا پڑتا تھا، تحقیق و تصحیح کے بارے میں ان دونوں حالتوں میں جو فرق ہے اس کو تصنیفی و تحقیقی کام کرنے والے جانتے ہیں، اس لئے بھی نیز اس بنا پر بھی کہ پوری کوشش و اہتمام کے باوجود نقشِ اول میں کچھ خامیاں رہ ہی جاتی ہیں، چنانچہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کتابت و طباعت کی غلطیاں بھی رہ گئیں اور کچھ مواد و مندرجات ایسے تھے جن کی مزید تحقیق اور مآخذ سے مقابلہ کرنے کی ضرورت تھی، اس ایڈیشن میں امکانی حد تک کتابت و طباعت کے اغلاط کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے اور متعدد مقامات پر مزید تحقیق اور نظر ثانی کے بعد خفیف سی ترمیم کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں مصنّف جناب مولوی منظور حسین صاحب سروش بھوپالی (امیر تاج المساجد بھوپال) کا خصوصیت کے ساتھ ممنون ہے کہ انھوں نے بڑے شغف، اہتمام اور دیدہ ریزی کے ساتھ کتاب کو لفظاً لفظاً پڑھا، متعدّد مقامات پر نظر ثانی اور مزید تحقیق کی دعوت دی اور اپنے مشوروں سے مصنف کی بیش قیمت مدد فرمائی، مصنف عزیز گرامی مولوی شاہ شبیر عطا ندوی کا بھی شکر گزار ہے کہ انھوں نے کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور بعض مسامحات کی نشاندہی کی، جزاهما الله خير الجزاء۔

کتاب کا عربی ترجمہ عزیزی مولوی سید سلمان ندوی سلمہ کے قلم سے "رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام" کے تیسرے حصہ کے طور پر "الامام السرہندی" کے نام سے دار القلم کویت سے اور انگریزی ترجمہ SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT کے تیسرے حصہ کے طور پر محترمی سید محی الدین صاحب کے قلم سے "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ" کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، اس طرح ممالک عربیہ نیز ان ممالک اور

حلقوں میں جہاں صرف انگریزی ہی ذریعۂ مطالعہ و استفادہ ہے، حضرت مجدّد الف ثانی کے حالات و سوانح اور ان کے تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی عظمت و اہمیت سے واقف ہونے کا موقع مہیا ہو گیا، ان میں سے بیشتر ممالک اور ماحول وہ ہیں جن میں حضرت مجدّد کے طریق کار کے مطابق کام کرنے ہی میں سب سے زیادہ کامیابی کے امکانات ہیں، اور اسی کی روشنی اور پیروی میں غیر ضروری دشواریوں، مخالفتوں اور با اثر و بارسوخ طاقتوں سے صف آرائی اور معرکہ پیمائی سے بچ کر اصلاح و انقلابِ حال اور اسلام کے غلبہ و اقتدار کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

مصنّف کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور اس عہدِ فتن میں (جو بہت سے مقامات پر عہدِ اکبری سے بہت مماثلت رکھتا ہے) اس طرزِ کار اور جدّ و جہد اصلاح و تجدید سے بصیرت اور قوت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جس کو وہ کامیابی حاصل ہوئی جو تاریخ اسلام میں بہت کم اصلاحی و تجدیدی کوششوں کو حاصل ہوئی، ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

وبالله التوفيق۔

ابوالحسن علی ندوی
مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۰ رجب ۱۴۰۷ھ
۳۱ مارچ ۱۹۸۷ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مدّعا

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین

غالباً ۳۵-۱۹۳۶ء کی بات ہے، میرے مربّی وولی نعمت برادر معظم مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے مجھے ہدایت کی کہ میں "مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی" کا مطالعہ کروں، میری عمر اس وقت ۲۲، ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی، اور تازہ تازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا تھا، معرفت وحقیقت کے گہرے مضامین کے مطالعہ سے ناآشنا اور تصوف وسلوک کی اصطلاحات سے یکسر نابلد تھا، ذہن ومذاق پر ادب (بالخصوص ادب عربی) اور تاریخ کی حکمرانی تھی، مصر وبیروت کے اعلیٰ مطابع کی خوبصورت چھپی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی عادت تھی، بھائی صاحب جن کے دامن عاطفت اور آغوش تربیت میں ذہنی وعلمی نشو ونما ہوا تھا، اس حقیقت سے خوب واقف تھے، لیکن شاید وہ اقبال کے الفاظ میں کہنا چاہتے تھے کہ ؎

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو ہے اس کا مذاق عارفانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم سے کم تین سو برس سے ہمارے خاندان کو روحانی و فکری طور پر حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خانوادۂ عالی سے نسبت رہی ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ کتب میں جو گھر میں محفوظ تھا مطبع احمدی دہلی کا چھپا ہوا مکتوبات کا نسخہ تھا، جو تین دفتروں پر مشتمل تھا، بھائی صاحب کے احترام اور تعمیل ارشاد میں اس کا مطالعہ شروع کیا، لیکن کئی بار ہمت نے جواب دے دیا، اور کتاب رکھ دی، خاص طور پر وہ مکاتیب جو اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں، اور جن میں اپنے روحانی تجربات اور واردات بیان کئے گئے ہیں سب سے زیادہ ہمت شکن ثابت ہوئے، لیکن بھائی صاحب کی طرف سے برابر ہدایت رہی کہ میں کسی طرح مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی "ازالۃ الخفاء" حضرت سید احمد شہیدؒ کی "صراط مستقیم" اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "منصب امامت" پڑھ لوں، آخر کمر ہمت باندھ کر اس "ہفت خواں" کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گیا، غیرت بھی آئی اور جوش بھی آیا کہ ایک شفیق بھائی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا، اور ایک ایسی متبرک کتاب کے مطالعہ سے محروم ہوں جس کو بڑے بڑے علماء و مشائخ نے حرز جاں بنایا ہے، توفیق الٰہی نے بھی یاوری کی جس قدر آگے بڑھتا گیا دل لگتا گیا، اور بقدر استعداد و توفیق کتاب بھی سمجھ میں آتی گئی، پھر تو کتاب خود دامن گیر ہو گئی، اور اس کے پڑھنے میں ایسی حلاوت و لذت محسوس ہونے لگی جو اچھی اچھی ادبی کتابوں میں محسوس نہیں ہوتی تھی، یہ دور بعض حیثیتوں سے میری زندگی کا نازک ترین دور تھا، بعض شدید آزمائشیں اور شدید قسم کی ذہنی کشمکش در پیش تھی، کتاب نے اس مرحلہ پر ایک کامل مرشد کا کام دیا، صاف محسوس ہوتا تھا کہ قلب سکینت سے معمور بلکہ مخمور ہے، غالباً ایسی سکینت کا احساس اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، یہ سفر جو محض سعادت و اطاعت میں شروع کیا گیا تھا، اور جس میں تعمیل ارشاد اور غیرت کا جذبہ کام کر رہا تھا، بڑی فرحت و بشاشت پر ختم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مکتوبات کو دوبارہ اس ارادہ سے پڑھنا شروع کیا کہ اس کے منتشر و مکرر مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کیا جائے اس کے لئے کتاب کے مضامین کا ایک انڈکس بنانے کے کام کی ابتداء کی، مثلاً توحید خالص اور رد شرک کا مضمون کہاں کہاں آیا ہے، مکتوبات کے نمبروں کے حوالے سے ان کے صفحات ایک جگہ نوٹ کر لئے، رسالت و نبوت پر کس کس جگہ کلام کیا گیا ہے، سنت و بدعت پر کن مکاتیب میں گفتگو ہے، یہ مضمون کتنے مقامات پر ہے کہ بدعت حسنہ کا کہیں وجود نہیں، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود پر کن مکاتیب میں بحث کی گئی ہے، عقل خالص اور کشف خالص پر تحقیقی بحثیں کہاں کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، ہفتوں کی محنت سے یہ پورا انڈکس تیار ہو گیا، اور وہ مکتوبات کے اسی نسخہ میں رکھ دیا گیا کہ پھر اس کی مدد سے مضامین کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے گا لیکن شاید وہ نسخہ کسی نے پڑھنے کے لئے لیا اور وہ واپس نہیں آیا، نسخہ کے ضائع ہونے سے (جس کا بدل مل سکتا تھا) زیادہ افسوس اس محنت و عرق ریزی کے ضائع ہونے کا تھا، جو اس انڈکس کی تیاری میں کی گئی تھی "وکان امر اللہ قدراً مقدوراً"

اس کے کئی سال کے بعد غالباً ۱۹۴۵-۴۶ء میں یہ خیال آیا کہ مکتوبات کو مضامین و مطالب کے لحاظ سے مرتب کیا جائے، اور اس کو اس نئی ترتیب و تعارف و تشریح کے ساتھ پیش کیا جائے کہ وہ نئی نسل کے جدید ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قابل استفادہ اور شوق انگیز ہو، اور اس سے حضرت مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامے اور مجتہدانہ مقام پر بھی روشنی پڑے، چنانچہ اس التزام کے ساتھ یہ کام شروع کیا کہ پہلے ایک تمہیدی مضمون ہو جس میں آنے والے اقتباسات کا مرکزی فکر ان علوم و تحقیقات کا جوہر و لب لباب آ جائے جو ایک ہی عنوان کے تحت ہیں، لیکن سارے مکتوبات میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر ایک معنوی ترتیب کے ساتھ مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جائیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف فارسی متن ہو، اور دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ، پھر حاشیہ پر حل طلب الفاظ و اصطلاحات کی تشریح اور احادیث کی تخریج ہو، پھر مستند علمائے امت و محققین اسلام کے تائیدی مضامین او عبارتیں، اس کام کا پیمانہ اتنا وسیع تھا، اور اس میں اتنے پہلوؤں کی رعایت تھی کہ اس کام کا مجھ جیسے کم عمر و نوخیز اور مصروف انسان سے جو تدریس، تصنیف، تبلیغ، تینوں کوچوں میں قدم رکھتا تھا سرانجام پانا بہت مشکل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ توحید و رسالت و نبوت کی منزل تک یہ کام پہنچا تھا کہ دوسرے مشاغل نے اس کی مہلت نہ دی، لیکن جتنا کام ہو گیا تھا، وہ بھی بہت بیش قیمت اور مفید تھا، اس مضمون کی چار قسطیں رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے اپنے رسالۂ "الفرقان" میں ۶۶-۶۷ھ (۴۷-۴۸ء) میں شائع کیں۔

اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے کئی سال کے بعد جب "تاریخ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ شروع ہوا تو بجائے مکتوبات کی نئی ترتیب اور نئی خدمت کے حضرت مجددؒ کی مستقل سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور اس کی تیسری جلد جو آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے دو جلیل القدر روحانی پیشوا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل تھی، مرتب و شائع ہو گئی تو ضروری ہو گیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے کتاب کی چوتھی جلد کو زینت بخشی جائے کہ اس عہد انقلاب اور اس پرفتن دور میں بعض حیثیتوں سے اس کے سامنے آنے کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت مجدد کے اس طریقۂ کار و حکمت عملی کو واضح و روشن کرنے کی اس زمانہ میں (جس میں آسانی کے ساتھ اور پہلے ہی مرحلہ پر حکومتوں اور طاقتوں کو اپنا مدمقابل اور حریف بنا لیا جاتا ہے اور کام کے راستہ میں بے ضرورت مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر لیا جاتا ہے) جتنی ضرورت

ہے، شاید کسی زمانہ میں نہ تھی، آخر وہ کیا طریقہ تھا کہ ایک فقیر بے نوا نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر سلطنت و ملک کا رخ بدل دیا؟ اس حقیقت کی طرف توجہ سب سے پہلے اپنے برادر معظم کی گفتگو اور مجلسوں سے ہوئی پھر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا وہ فاضلانہ و ولولہ انگیز مضمون پڑھ کر جو انھوں نے "الفرقان" کے مجدد نمبر کے لئے سپرد قلم کیا تھا، اس کا یقین و اذعان پیدا ہوا، خود میں نے اپنے متعدد عربی مضامین اور خطبات[1] میں اس حقیقت کو متعدد بار واضح کیا اور اس حقیقت پر اطمینان و انشراح قلبی برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

لیکن جب مکمل و مستقل سیرت کا خیال آتا تو دو باتیں اس راہ میں حائل ہو جاتیں، پہلی یہ کہ مجدد صاحب کی کوئی سیرت فلسفۂ وحدۃ الوجود اور نظریۂ وحدۃ الشہود کی تفہیم و تشریح اور ان کے محاکمہ، علمی دلائل اور ناقدانہ بحث و نظر کے ساتھ آخر الذکر کی ترجیح اور اس کے اثبات کے بغیر ممکن نہیں، لیکن جب اس کا خیال آتا تو ہمت ٹوٹ جاتی، اولاً اس لئے کہ اس پر اتنا عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، جس کی تلخیص و انتخاب بھی مشکل ہے، دوسرے ان دقیق فلسفیانہ مباحث، مقدمات اور ان نازک اصطلاحات کے سمجھے اور سمجھائے بغیر اس پر قلم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا، پھر آخر میں یہ مسئلہ علمی اور ذوقی ہے اور ذاتی تجربات و احساسات پر مبنی ہے، اور مصنف اس کوچہ سے یکسر نابلد، کتاب کے پڑھنے والوں کی بڑی تعداد بھی نہ صرف اس سے ناآشنا بلکہ متوحش ہے، اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس "ہفت خواں" کو کس طرح سر کیا جائے اور اگر کتاب اس مبحث سے (جو بعض حضرات کے نزدیک مجدد صاحب

---

[1] مثلاً راقم سطور کا وہ مضمون جو اس نے جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ کے ایک استقبالیہ جلسہ میں علمائے مصر اور اساتذۂ جامع ازہر کے سامنے پڑھا تھا، اور "الدعوۃ الاسلامیۃ فی الهند وتطوراتها" کے عنوان سے علیحدہ شائع ہو گیا ہے، یا جامعۂ اسلامیہ مدینہ منورہ کی وہ تقریر جو "منهج أفضل في الاصلاح للدعاة والعلماء" کے نام سے شائع ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تجدید کا اصل میدان اور ان کی تجدیدی عظمت کا راز ہے) خالی ہو تو وہ کس طرح ان کی مکمل سوانح اور تذکرہ کہی جاسکتی ہے؟ دوسرا خیال جو قلم کا عناں گیر اور مصنف کا دامن کش ہوتا تھا، وہ یہ کہ اس موضوع پر اتنا کام ہو چکا ہے اور اتنی کتابیں لکھی جاچکی ہیں کہ مصنف کے لئے ان میں اضافہ کرنا اور نئی تصنیف کا جواز پیدا کرنا مشکل ہے۔

جہاں تک پہلے خیال کا تعلق ہے بڑے غور و فکر کے بعد ذہن نے اس کا حل سوچ لیا، وہ یہ کہ "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول پر اس مسئلہ کو قارئین کے سامنے شیخ اکبر کے دبستان فکر کے بعض مستند فضلا اور معتبر شارح و ترجمان حضرات کی تشریحات اور خود مکتوبات کی مدد سے اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان کو اس نظریہ کا اجمالی طور پر علم و تصور ہو جائے، پھر جن کو شوق و ہمت ہو وہ اصل مآخذ کی طرف رجوع کریں یا اس موضوع کے اختصاصی عالموں اور اس دریا کے شناوروں سے مدد لیں، جو اس مسئلہ پر علمی طور پر حاوی اور عملی طور پر ذوق آشنا ہیں "وقلیل ماھم"۔

جہاں تک دوسری رکاوٹ کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے ایک شعر نے رہبری کی اور مصنف کے محدود تصنیفی تجربہ نے بھی اس کی تائید کی اور اس کے لئے شہادتیں مہیا کیں، ترجمان حقیقت نے فرمایا ہے ؎

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

حضرت مجدد اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اب بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، اور بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

پھر زبان و اسلوب، سوالات و حالات، معیار و اقدار، اور طریقۂ تفہیم و تعبیر کی تبدیلی

سے بعض مرتبہ کچھ عرصہ پہلے لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ گویا دوسری زبان میں تھیں، اب ان کے ترجمہ کی ضرورت ہے، پھر مقدمات و واقعات سے نتائج نکالنے اور اسباب و نتائج کے درمیان ربط پیدا کرنے اور اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق کرنے کا طریقہ بھی ہر مصنف کا جدا ہوتا ہے، مصنف کے دل نے گواہی دی کہ اگر یہ کام خلوص و محنت سے انجام دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، بلکہ کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر پندرھویں صدی کے لئے (جو اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد شروع ہونے والی ہے) وہ ایک قابل قدر تحفہ، ایک حیات آفریں پیغام، اور اللہ کے ایک مخلص و مقبول بندے کے ایک ایسے کام کی روداد بن جائے جو نہایت خاموشی تواضع اور عجز و مسکنت کے ساتھ انجام دیا گیا، لیکن اس کے اثرات ایک صدی سے متجاوز ہو کر ہزارۂ دوم (الف ثانی) پر محیط ہو رہے ہیں، اور ہماری اس صدی کے لئے بھی جس کے زمین و آسمان بظاہر بدل گئے ہیں، اپنے اندر عبرت و موعظت کا وافر سامان رکھتا ہے۔

"ناچیز راقم سطور کا قلم اور قلب دونوں آستان خداوندی پر سربسجود اور ترانۂ حمد و شکر سے رطب اللسان ہیں کہ ۱۸ سال کے طویل وقفہ کے بعد[1] مصنف کو "تاریخ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ پھر شروع کرنے اور اس کا چوتھا حصہ لکھنے کی سعادت و توفیق حاصل ہو رہی ہے، یہ وقفہ اتنا طویل ہوا کہ خود مصنف کو اس کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں موت کا پیام آجائے، اور یہ اہم سلسلہ جس کو مصنف کی تصنیفات میں اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیت سے نوازا ناتمام نہ رہ جائے، اس چوتھے حصہ کا تعلق چونکہ اس ذات گرامی سے ہے جس کی تجدید دین نے ایک طرف وہ شہرت و قبولیت حاصل کی جو تاریخ دعوت و اصلاح میں کسی داعی و مصلح

[1] "تاریخ دعوت و عزیمت" کی تیسری جلد ۱۳۸۳ھ کے اوائل ۱۹۶۲ء کے وسط میں شائع ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حصہ میں نہیں آئی، یہاں تک کہ یہ لقب اس کے نام کا قائم مقام ہوگیا، اور بہت سے تعلیم یافتہ اصحاب بھی نام سے زیادہ اس لقب سے واقف ہیں، دوسری طرف اس کی تجدیدی مساعی نے وہ کامیابی حاصل کی اور اس کے ایسے ظاہر و باہر نتائج نکلے جن کی مثال اسلام کی تاریخِ دعوت و عزیمت اور تجدید و احیاء دین میں ملنی مشکل ہے، اس لئے خود طبیعت پر بھی تقاضا تھا، اور "تاریخ دعوت و عزیمت" کا مطالعہ کرنے والوں اور قدر دانوں کا سالہا سال سے اصرار تھا کہ اس حصہ کو جلد سے جلد مرتب ہو جانا چاہئے، بلکہ بہت سے مخلص صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق احباب اور بزرگوں کا مطالبہ اور حکم تھا کہ میں تمام تصنیفی مشاغل اور دوسرے موضوعات پر اس کام کو ترجیح دوں، اور کچھ دنوں کے لئے اپنے کو اس کے لئے فارغ کر لوں، لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا، جتنا سمجھا جا رہا تھا، عصر حاضر کے تقاضوں، جدید ذہنوں، اور بحث و تحقیق کے جدید معیاروں اور پیمانوں کے مطابق اتنا کافی نہ تھا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے، اور قدیم تاریخوں اور تذکروں میں جو مواد موجود ہے، اس کو معمولی انتخاب اور تلخیص کے ساتھ پیش کر دیا جائے، مجدد صاحب نے جس عہد اور ماحول میں یہ تجدیدی کام انجام دیا، اس کا علمی اور تاریخی، فکری و سیاسی، اخلاقی و اجتماعی اور اعتقادی و کلامی طریقہ پر مؤرخانہ و ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اس وقت کیا تحریکیں کام کر رہی تھیں، ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ملکوں میں کیا ذہنی و دینی بے چینی پائی جاتی تھی، اسلام اور شریعت اسلامی کے خلاف علمی اور عقلی حلقوں میں کس بغاوت کے آثار تھے اور کن سازشوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اسلام کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار سال کی تکمیل کے قرب نے حوصلہ مندوں اور طالع آزماؤں کے دلوں میں کیسی کیسی امیدوں اور امنگوں کے چراغ روشن کر دیئے تھے اور متشکک اور متردد طبیعتوں میں کیسے کیسے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے،

ایک طرف فلسفہ اور علوم عقلیہ، دوسری طرف اشراق و باطنیت نے نبوت و رسالت کی عظمت و مقام کے گھٹانے اور عقل و تفلسف یا ریاضت و مجاہدہ اور نفس کشی کو معرفت الٰہی، اور وصول الی اللہ اور نجات و ترقی درجات کے لئے کافی سمجھنے کا کیسا فتنہ برپا کر دیا تھا، وحدۃ الوجود کے غالی عقیدہ نے کیسی آزادی اور بے قیدی بلکہ الحاد و زندقہ کا دروازہ کھول دیا تھا،[1]

سنت و شریعت کی اہمیت علماء راسخین کی ایک قلیل تعداد اور شروح حدیث تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اور بدعات نے اکثر کھلے طریقہ پر اور بعض مرتبہ "بدعت حسنہ" کے نام اور نقاب سے پورے معاشرہ اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا، اور کوئی اس "بدعت حسنہ" کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالم اسلام کی دوسری سب سے عظیم سلطنت[2] اور اس میں بسنے والے وسیع مسلم معاشرہ کا رخ چند ذاتی رجحانات، شخصی اغراض، خارجی اثرات اور موہوم سیاسی مصالح کی بنا پر دین حجازی سے وابستگی، نبوت محمدی کی پیروی اور اسلامی تہذیب کی نمائندگی سے بدل کر ہندی فلسفہ،

---

[1] واوین کے درمیان کی عبارت سے مصنف نے ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء کو عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی تحریک و تحریض سے (جو پیام انسانیت کے اس دورۂ مشرقی پنجاب میں شریک تھے) حضرت مجدد الف ثانی کے مزار سے متصل خانقاہ کی مسجد میں بیٹھ کر اس تصنیف کا آغاز کیا، مصنف بول رہا تھا، اور اس کے رفیق سفر و معاون عزیز مولوی اسحاق جلیس ندوی مرحوم مدیر "تعمیر حیات" لکھ رہے تھے، تبرکاً اس عبارت کو اس مقدمہ میں شامل و تحلیل کر دیا گیا ہے، اصل کتاب کے شروع کرنے میں پھر بھی تقریباً ڈیڑھ سال کا وقفہ ہوا، کتاب ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء) کو عملاً شروع ہوئی، دو بیرونی سفروں کی وجہ سے اس میں طویل طویل وقفے آتے رہے، کل مدت تصنیف ۲-۳ مہینے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

[2] سلطنت عثمانیہ کے بعد اپنے رقبہ، فوجی طاقت، وسائل و ذخائر کے لحاظ سے ہندوستان عالم اسلام کے نقشہ پر سب سے بڑی مسلم سلطنت تھی جس کے حدود مشرقی بنگال سے افغانستان کے مغربی حدود تک وسیع تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندی تہذیب اور "وحدتِ ادیان" کی طرف موڑا جا رہا تھا، اور اس کوشش و سازش میں اس عہد کے بعض ذہین ترین اور لائق ترین افراد شامل تھے، اور ببانگ دہل "نیا دور نیا آئین" "نیا ہزارہ نئی امامت" کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا۔

اس صورت حال کو کس طرح بدلنے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا گیا، اور اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، پھر ایک گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر کس طرح "آدم گری" و "مردم سازی" روحانی تزکیہ و تربیت کا وہ کام انجام دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ مردانِ کار تیار ہوئے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف مرکزی مقامات میں بیٹھ کر اور پھر افغانستان و ترکستان اور پھر عراق و شام و ترکی و حجاز میں پھیل کر یادِ خدا کی سرگرمی، اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش، مردہ سنتوں کے احیاء، حمایت شریعت و اماتتِ بدعت کا عظیم الشان کام انجام دیا، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور آزاد مشرب صوفیوں کے اثرات کا ازالہ کیا، اور مختصراً خدا طلبی اور احترام شریعت کا صور پھونک دیا، اور کم سے کم تین صدیوں تک اس کام کو اس قوت و عزیمت اور اس انہماک و مصروفیت کے ساتھ جاری رکھا کہ پورے عالم اسلام میں ہر جگہ وہی وہی نظر آتے ہیں، اور یہ تین صدیاں انھیں کی روحانی و علمی قیادت کی صدیاں کہلانے کی مستحق ہیں، اور اس عالمگیر اثر کو دیکھ کر ایک حقیقت پسند انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اس سلسلہ میں دو[2] اور پہلو بھی قابل لحاظ تھے، ایک تو یہ کہ حضرت مجدد صاحب کے عہد کی تصویر کشی اور دورِ اکبری کا نقشہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ملا عبدالقادر بدایونی کی "منتخب التواریخ" اور ان تاریخی مآخذ پر انحصار نہ رکھا جائے جو خاص دینی جذبات یا ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل اور عہدِ اکبری کی تاریک سے تاریک تر تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں، اس سلسلہ میں

ان غیر جانبدار مصنفین یا دربارِ اکبری کے ان اہلِ قلم کی تحریر و بیانات سے مواد حاصل کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ اکبر کے مخالف نہ تھے، بلکہ اس کے وکیل و نقیب اور اس کے خیالات و مقاصد کے ترجمان اور اس کے آئینِ سلطنت اور اس کے خداداد کمالات کے معترف و معترف تھے، اسی طرح ان تبدیلیوں کا بھی مؤرخانہ و مبصرانہ جائزہ لیا جائے جو جہانگیر کے دور سے شروع ہو کر عالمگیر کے عہدِ سلطنت پر جا کر مکمل ہوئیں، اور اس سلسلہ میں بھی خاندان مجددیہ کے مصنفین کے بیانات اور خوش اعتقاد مؤرخوں کی شہادتوں کے بجائے غیر جانبدار مؤرخین ہندوستان کی کتابوں سے مواد اخذ کیا جائے اور ان کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت مہیا کیا جائے۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس ربع صدی میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اردو اور انگریزی میں مجدد صاحب اور ان کے دور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں بہت سے مشہورات و مسلّمات کو چیلنج کیا گیا ہے، نئے سوالات اٹھائے گئے ہیں، اور واقعات و معلومات یا اپنے اخذ کردہ نتائج کی مدد سے بالکل ایک نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (جو اس تابناک اور درخشاں تصویر سے بہت مختلف ہے، جو ابھی تک پیش کی جاتی رہی ہے) ان کو بھی سامنے رکھا جائے، اور خواہ ان کے ایک ایک دعویٰ کا نام لے کر تردید نہ کی جائے لیکن مجدد صاحب کی یہ نئی سیرت اور ان کے کارناموں اور ان کے دور کا یہ جائزہ خود بخود ان کتابوں کا جواب اور ان دعوؤں اور اعتراضات کی تردید ہو جائے۔

اپنی شدید مصروفیت، کثیر ملکی و بیرونی اسفار، صحت کی کمزوری اور معاونوں کی کمی کے ساتھ

لے اس موقع پر ناسپاسی ہوگی، اگر رفیق عزیز مولوی شمس تبریز خاں (رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام) کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنھوں نے فارسی کی بعض قدیم کتابوں سے مواد مہیا کرنے اور لمبی لمبی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنے میں مصنف کی بیش قیمت مدد کی، نیز عزیزی ناصر الاسلام ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ کتاب کی تسوید اور مآخذ سے استفادہ میں ان سے علمی مدد ملی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کی گئی ہے کہ "تاریخ دعوت وعزیمت" کا یہ حصہ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت اور ان کی خدمات وکارناموں پر مشتمل ہے بعض نئے معلومات اور ایسے مواد کے ساتھ جن سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا تھا، اور بعض اہم اور غور طلب نتائج اور دعوت فکر وعمل کے ساتھ جلد منظر عام پر آجائے، شاید ہم اس سے اس زمانہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور آنے والی پندرہویں صدی کا استقبال کرنے میں (جس کا عالم اسلام کے مختلف حصوں میں استقبال کیا بھی جاچکا ہے) کچھ مدد حاصل کرسکیں "وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب"۔

آخر میں اس کا اعتراف وشکریہ بھی ضروری ہے کہ مجددی خاندان کی شاخوں اور مجددی سلسلہ کے مشائخ کبار کے سلسلہ میں مخدوم محترم مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی (فرزند گرامی حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ) سے وہ بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں جن کا حصول کسی اور ذریعہ سے بظاہر نہایت دشوار تھا، فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی مصنف کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے ذاتی کتابی ذخیرہ میں بعض ضروری قلمی کتابیں اور مفید مواد حاصل ہوا، اور انھوں نے بڑی فراخدلی سے ان سے استفادہ کی اجازت دی۔ مصنف ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی علمی اعانت کا بھی شکرگزار ہے۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی

۲۶ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ
۱۳ اپریل ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

عالم اسلام دسویں صدی میں

دسویں صدی (ہجری) کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ولادت شوال ۹۷۱ھ اور وفات صفر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی، اس طرح ان کا عہد دسویں صدی کے آخری انتیس ۲۹ سال، اور گیارہویں صدی کے تقریباً تینتیس ۳۳ سال ہیں، ان کے عہد کے مؤرخ اور ان کی شخصیت کے سوانح نگار کو اصلاً اسی تریسٹھ ۶۳ سال کی مدت سے سروکار ہونا چاہیے جو ہجری تقویم کی ان دو صدیوں کے آخری اور ابتدائی ثلث سے تعلق رکھتی ہے۔

لیکن حقیقتاً کسی کی ولادت سے خواہ وہ کتنی عظیم شخصیت ہو یکایک کسی ایسے نئے عہد کا آغاز نہیں ہوجاتا جو اچانک کتم عدم سے عالم وجود میں آئے اور اس پر ان واقعات و حوادث، ان تاریخی عوامل، اس سیاسی، اخلاقی، علمی پس منظر، اور ان سلطنتوں اور طاقتوں کا اثر نہ ہو جو اس کی پیدائش سے پہلے سے کارفرما اور ماحول ومعاشرہ پر اثرانداز ہو رہی تھیں، اس لئے ہم کو حضرت مجدد کی سیرت وسوانح کی ترتیب اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کے تذکرہ، ان کے عہد کا مزاج سمجھنے اور ان کے کام کی دشواریوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسانیوں کا صحیح اندازہ اور تقابل کرنے کے لئے اس عہد کے عالم اسلام کا سیاسی، دینی، علمی اور اخلاقی حیثیت سے تاریخی جائزہ لینے کی ضرورت ہوگی جس سے ان کو بدوِ شعور سے واسطہ پڑا، اور جس میں ان کو اپنا وہ انقلاب انگیز اور عہد آفریں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا جس کی بنا پر وہ بجا طور پر مجدد الف ثانی کہلائے۔

اس جائزہ میں ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے، جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو، گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں، اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات و انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیائے اسلام، اور خاص طور پر گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوائیں چلتی تھیں، ان کے جھونکے بُعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہونچ جاتے تھے۔

سیاسی حالت

دسویں صدی کے اوائل میں عرصہ کے بعد (غالباً سلطان صلاح الدین ایوبی

متوفی ۵۸۹ھ کے بعد) عالم اسلام کے مرکزی حصہ (مشرق وسطی) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا، اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک ایسے جھنڈہ کے نیچے جمع ہوئے تھے، جس کے بلند کرنے والے اپنے کو حامی اسلام، خادم الحرمین الشریفین اور مسلمانوں کا پاسبان کہتے تھے، اور جنھوں نے (خواہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر) خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا، جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سے مصر میں "عیسوی پاپائیت" کی طرح رہ گئی تھی، یاوز سلطان سلیم اول بانی خلافت عثمانیہ (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ) نے ۹۲۲ھ میں شام اور ۹۲۳ھ میں مصر فتح کیا، جو ڈھائی سو (۲۵۰) برس سے سلاطین مملوک کے زیر حکومت چلا آرہا تھا، سلیم کے حملہ کے وقت اس کا حکمراں قانصوہ غوری تھا، اسی ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے خلافت اور اس کے بعد حرمین شریفین کی تولیت و خدمت کا اعلان کیا، جزیرۃ العرب پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ کے مسلم و عرب ممالک (باستثناء مراکش) سلطان سلیم پھر اس کے جانشین سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ھ-۹۷۴ھ) (جس کو مغربی مصنفین "سلیمان ذی شان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں) کے زیر حکومت آگئے، سلیمان اعظم کا عہد حکومت (جس کی وفات سے تین سال پہلے حضرت مجدد کی ولادت ہوئی) سلطنت عثمانیہ کے اوج اقبال کا زمانہ ہے، ایک طرف یورپ میں آسٹریا اور ہنگری میں اس کے فتح و اقبال کا جھنڈا نصب تھا، دوسری طرف ایران میں اس کی فوجیں فاتحانہ طریقہ پر یلغار کر رہی تھیں، مصر و شام کے ساتھ عراق (عرب) بھی اس کی وسیع مملکت میں شامل ہو گیا تھا، اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت (ایمپائر) کا فرمانروا تھا، مراد ثالث (۹۸۲ھ-۱۰۰۴ھ) کے زمانہ میں جزیرۂ قبرص، صوبۂ تونس سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور یمن دولت عثمانیہ میں شامل تھے، اسی کے زمانہ میں ۹۸۴ھ میں حرم مکی کی تعمیر کی تکمیل ہوئی، یہ مجدد صاحب کے شعور کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ تھا، ان کو ضرور ان اہم واقعات کا علم ہوگا، اس عہد کے مسلمان (خواہ وہ ہندوستان کے باشندے ہوں) عثمانی ترکوں کی (جو متصلب قسم کے سنی حنفی تھے) ان فتوحات و وسعتِ سلطنت سے ضرور مسرور ہوتے ہوں گے۔

اسی صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا اس سلطنت کا بانی شاہ اسماعیل صفوی تھا (۹۰۵ھ - ۹۳۰ھ) اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقہ پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کر لیا، یہ سلطنت عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی، جس نے سلطنت عثمانیہ کے بالمقابل مذہب اثنا عشری جعفری کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، حکومت کے اقتدار اور وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا، اور اس میں اس نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی، اس طرح یہ حکومت اپنے حدود پر مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک انسانی دیوار کھڑی کر کے عثمانیوں (جن کے ہم مذہب (سنی حنفی) قسطنطنیہ سے لے کر لاہور و دہلی تک پھیلے ہوئے تھے) کی وسیع مملکت (ایمپائر) میں تحلیل ہونے سے محفوظ ہو گئی، اس خاندان کی حکومت بغداد سے ہرات تک تھی۔

اس خاندان کا سب سے باعظمت حکمراں شاہ عباس (۹۹۵ھ - ۱۰۳۷ھ - جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے ملقب ہے، اور جس کو اپنے تعمیری کارناموں کی بنا پر اس خاندان کا شاہجہاں کہا جاسکتا ہے) حضرت مجدد صاحب کا معاصر ہے، صفوی حکومت شاہ عباس اول کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہونچی، اس نے ترکوں سے لڑ کر نجف اور کربلا کو حاصل کر لیا، وہ اکبر اور جہانگیر کا معاصر تھا، شاہ عباس کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔

دنیائے اسلام کا دوسرا اہم مشرقی خطہ ترکستان تھا، جو صدیوں تک اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا، اور جس کو قدیم ادبیات میں ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس نے فقہ حنفی کی تدوین میں (عراق کے بعد) سب سے بڑا حصہ لیا، اور اس کی متعدد زندہ جاوید کتابیں جو ہندوستان کے نصاب میں ابھی تک داخل ہیں، وہیں تصنیف ہوئیں[1]، نیز سلسلۂ نقشبندیہ (جس سے حضرت مجدد اور ان کے مشائخ کا تعلق ہے) وہیں پیدا ہوا، پھلا پھولا، اور وہیں سے دنیا میں پھیلا، یہ زرخیز و مردم خیز ملک دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) ہی سے ازبکوں کے شیبانی خاندان کے قبضہ و اقتدار میں آگیا، اور ۹۱۶ھ کے ایک مختصر وقفہ کے علاوہ (جس میں بابر نے صفویوں کی مدد سے ماوراء النہر پر حملہ کیا تھا، اور اس وقت کے دار السلطنت سمرقند پر قابض ہو گیا تھا) اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط (انقلاب روس) تک انھیں کے زیرنگیں رہا، دسویں صدی میں شیبانی خاندان کے دو حکمراں عبید اللہ بن محمد (۹۱۸ھ - ۹۴۶ھ) اور عبید اللہ بن اسکندر (۹۶۴ھ - ۱۰۰۶ھ) کا دار السلطنت بخارا تھا، ان کی بدولت بخارا دوبارہ فکری و سیاسی زندگی کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان کا سب سے قریبی ہمسایہ ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہے، افغانستان ہے، یہ ملک دسویں صدی کی ابتدا میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں، اور درمیان درمیان میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا، کابل و قندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہو جاتے تھے، اور ہرات ایران کے حدود پر ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیر اثر رہا، ۹۲۸ھ میں بابر نے قندھار کو فتح کیا، پھر جب اس نے

[1] مثلاً، شرح وقایہ، ہدایہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا، جہاں سے وہ کابل، بدخشاں و قندھار تک حکومت کرتا تھا، اس وقت افغانستان، ہندوستان و ایران کی دو بڑی سلطنتوں کے زیر اثر ایک نسبتاً منظم اور پرامن دور میں داخل ہوا، وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات و سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے (اگرچہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) کابل سلطنت مغلیہ کا جزء بنا رہا، اور قندھار پر کبھی مغل کبھی ایرانی قابض ہو جاتے، کوہستان کے شمال میں بابر کے چچازاد بھائی سلیمان مرزا نے (جسے بابر نے بدخشاں کا والی بنایا تھا) ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد قائم کرلی، ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیر نگیں رہے، ۹۶۵ھ میں طہماسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کرلیا، اور ۱۰۰۳ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، ۱۰۰۳ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالہ کیا، اس وقت سے افغانستان کا ملک ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا، اور یہ سلسلہ بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا، یہاں تک کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے ہاتھوں آل بابر کی دو سو چالیس (۲۴۰) سال کی حکومت افغانستان سے اٹھ گئی۔

دسویں صدی شروع ہوئی تو ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری حکمراں ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ میں بانی سلطنتِ مغلیہ ظہیر الدین محمد بابر گورگانی (۸۸۸ھ۔۹۳۹ھ) کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد پڑی، جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی، لودھی خاندان اپنی افغانی نسل و روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش، مذہب حنفی کا پابند تھا، جو تجدد پسندی اور نامذہبی (سیکولر) سیاست سے ناآشنا تھا، اس خاندان کا سب سے دیندار،

معارف نواز اور علماء کا قدردان و سرپرست بادشاہ سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) تھا اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال (۹۴۶ھ۔۹۵۲ھ) شیر شاہ سوری کے زیر حکومت گذرے، جس سے زیادہ تنظیم و دستور سازی کی صلاحیت اور رفاہی کاموں کی توفیق رکھنے والا مسلمان بادشاہ اور صاحب علم اور دیندار حکمراں اس سے پہلے کی ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نہیں گزرا، شیر شاہ کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام، اور حکومت کو استقرار، اور اہل ملک کو فارغ البالی حاصل نہیں ہوئی، شیر شاہ سوری کا جانشین سلیم شاہ اپنے عبقری (GENIUS) باپ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، بابر کا جانشین نصیر الدین ہمایوں (۹۳۷ھ۔۹۶۳ھ) ہندوستان میں اطمینان کے ساتھ سلطنت نہ کرسکا، اور شیر شاہ کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی سے پریشان اور سرگرداں رہا، اور جب تک ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر نہیں آیا، اس کو استقرار نصیب نہیں ہوا، ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا، اور پوری نصف صدی تک بڑے کروفر سے حکومت کی۔

مجدد صاحب کے زمانہ ہی میں جب ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی، نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا، اور اسی کے عہد میں مجدد صاحب نے وفات پائی، اس مرکزی سلطنت کے علاوہ جس کا پایہ تخت دہلی تھا، گجرات، بیجاپور، گولکنڈہ، اور احمد نگر میں علاقائی حکومتیں قائم تھیں، جو خود مختار طریقہ پر سلطنت کر رہی تھیں، ان میں سے تین آخر الذکر شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبی و روحانی حالت

اس وقت پوری دنیائے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی، عوام عام طور پر (اپنی علمی و اخلاقی کمزوریوں کے باوجود) راسخ الاعتقاد مسلمان، دین پسند اور اسلام دوست تھے، ان میں خاص دینی حمیت اور اسلامی جوش پایا جاتا تھا، اگرچہ بہت سی بدعات اور خلاف اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، لیکن عام طور پر کفر و الحاد سے بیزار و متنفر تھے۔

ان کے اس عمومی دینی ذوق اور مزاج کی وجہ سے سلاطین اسلام کو بھی (جو بڑی سے بڑی مخالف طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور جن کی فوجی طاقت نے یورپ کو بھی لرزہ براندام کر رکھا تھا) شعائر اسلام کا احترام، اور دین کی حمایت و نصرت کا اظہار و اعلان کرنا پڑتا تھا، اور عوام کے دلوں پر اس وقت تک ان کی عظمت و محبت کا نقش قائم نہیں ہونے پاتا تھا جب تک کہ وہ اپنے اس دینی پہلو کو نمایاں نہ کریں، سلطان سلیم اول کی سلطنت میں اس وقت تک استحکام نہیں پیدا ہوا جب تک کہ اس نے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے دمشق کے قیام کے دوران مقامات مقدسہ سے اپنی نیازمندی اور عقیدت کا برملا اظہار کیا، ذی الحجہ ۹۲۳ھ میں سلیم نے حاجیوں کا ایک قافلہ دمشق سے روانہ کیا جس کے ساتھ پہلی مرتبہ ترکی سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلاف کعبہ بھیجا گیا، اس وقت سے...... سلاطین ترکی خادم الحرمین الشریفین کا خطاب استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے انھیں اسلامی دنیا میں بڑا وقار حاصل ہوا، سلیمان اعظم کی زندگی میں تواضع اور خاکساری

اور گہرے دینی جذبات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس نے قرآن مجید کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے جو سلیمانیہ میں محفوظ ہیں، وہ اپنے دیوان کی غزلوں اور نظموں سے ایک راسخ الاعتقاد مسلمان ظاہر ہوتا ہے، اس نے مفتی ابوالسعود (م ۹۵۲ھ) (صاحب تفسیر ابوالسعود) کے فتوے کی سند پر کعبۃ اللہ کی از سر نو تعمیر کی، اور مکہ مکرمہ کی پختہ کاریزیں بنوائیں، سلطان مراد نے ۹۸۴ھ میں کعبۃ اللہ کی عمارت کی تکمیل کی، (جس پر وہ اس وقت تک قائم ہے) یہ سب دسویں صدی کے سلاطین آل عثمان کے کارنامے ہیں۔

ایران کی (شیعی) سلطنت میں بھی عوام کا ذہن مذہبی، اور ذوق دینی خوش عقیدگی کا تھا، اور سلاطین صفویہ اس کو غذا پہونچا کر اور مذہب اور اہل بیت سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کر کے اس سے ملک میں سیاسی استحکام، اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کا کام لیتے تھے، ایران کے سب سے عظیم حکمران شاہ عباس اول نے صرف زیارت کی غرض سے اصفہان سے مشہد تک پیدل آٹھ سو میل کا سفر کیا، اور نجف میں حاضر ہو کر روضۂ مرتضوی پر جھاڑو دی۔

شاہ عباس سے ایرانیوں کی عقیدت غلو اور وہم پرستی کی حد تک پہونچ گئی تھی، اور لوگوں میں عجیب عجیب روایات مشہور تھیں۔

ترکستان و افغانستان کے لوگوں کی راسخ الاعتقادی، دینی صلابت، سنیت اور مذہب حنفی کی پابندی میں تصلّب ضرب المثل ہے، ان کے حکمراں اور سربراہانِ مملکت، ارکان سلطنت، اور خواص و امراء بھی (اپنی سطح اور معیار زندگی کے مطابق) بہت حد تک ان کے ہم رنگ اور ہم آہنگ تھے۔

ہندوستان میں مسلم سلطنتوں کی بنیاد ترکی و افغانی النسل خاندانوں اور حکمرانوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھ سے پڑی، اس لئے شروع سے یہاں بھی مذہب کا اثر گہرا لیکن سیدھے سادہ رنگ کا تھا، جو ترکی و افغانی ذہنیت و مذاق کا خاصہ ہے، یہاں شروع سے طریقۂ اہل سنت والجماعۃ، اور مذہب حنفی کی (چند سواحلی مقامات اور جنوبی ہند کے علاقہ مالابار کو مستثنیٰ کرکے) پابندی رہی، اور شروع سے وہی مملکت کا دستور اور عدالتوں کا قانون رہا، یہاں فقہ حنفی کی بعض اہم کتابیں "فتاویٰ تاتارخانی" اور "فتاویٰ قاضی خاں" لکھی گئیں۔[1]

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں متعدد بادشاہ اپنی حمایتِ سنت و شریعت، کفر والحاد سے بیزاری، بدعات و منکرات کی مخالفت و ازالہ، اور دینی حمیت میں ممتاز نظر آتے ہیں، آٹھویں صدی میں محمد تغلق، و فیروز تغلق، اور دسویں صدی میں سلطان سکندر لودھی کا نام لینا کافی ہے، "طبقات اکبری" "تاریخ فرشتہ" اور "تاریخ داودی" کے مصنفین کے بیان کے مطابق سلطان سکندر کے عہد میں مذہب کی پابندی ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا ایک نیا طریقہ پیدا ہوگیا ہے، وہ اپنے نفس سے نفس اسلام کو زیادہ عزیز رکھتا تھا، ان کے بقول سلطان کو اپنی ابتدائے عمر سے تعصبِ مذہبی دامنگیر تھا، بادشاہ کو تذکرۂ علمی کا شوق تھا، اس کے عہد میں ہندوؤں کے فارسی پڑھنے کا آغاز ہوا، کائستوں نے بادشاہ کا مشورہ قبول کیا، سلطان نے سالار مسعود کی چھڑیاں جو سالانہ جاتی تھیں اپنی مملکت میں بالکل موقوف کردیں، مزارات پر زیارت کے لئے عورتوں کے جانے کی سخت ممانعت کردی، بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ تعزیوں کے نکلنے اور (چیچک کی دیوی) سیتلا کی پوجا کو بھی سختی سے روکا،[2] مشتاقی نے لکھا ہے کہ

[1] یہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس نے عالم اسلام میں شہرت حاصل کی، اور فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مصر و شام و عراق میں مشہور ہے۔ [2] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی جلد دوم ص ۳۷۴

"قبور بلا میت را نہر ساختہ" بہت سی جعلی قبریں جو اس زمانہ میں وجود میں آگئی تھیں، وہاں نہریں جاری کرکے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔[1]

سلطان سلیم شاہ سوری مساجد میں خود نماز پڑھاتا تھا، مسکرات سے سختی سے مجتنب تھا۔

یہ دور تصوف اور سلاسل و طرق صوفیہ کے انتہائی عروج کا تھا، عالم اسلام کا کوئی ملک اور خطہ ایسا نہ تھا، جہاں کوئی سلسلہ پایا نہ جاتا ہو، گھر گھر اس کا چرچا تھا، اس سلسلہ میں ترکستان کے دو مشہور شہر اور علمی و روحانی مرکز بخارا اور سمرقند، افغانستان میں ہرات اور بدخشاں، مصر میں اسکندریہ اور طنطا، یمن میں تعز اور صنعاء، حضرموت میں تریم، شحر اور سیون علماء اور صوفیاء اور مشائخ کا بڑا مرکز تھے، حضرموت میں باعلوی عیدروس خاندان بڑا مقبول اور صاحبِ کمال خاندان تھا، اسی دور میں ان اطراف میں الشیخ ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر بہت عالی مرتبہ شیخ اور قطب دوراں سمجھے جاتے تھے، تریم سادات آل باعلوی کا مستقر تھا، اس زمانہ کے مشہور اولیاء میں شیخ سعد بن علی السوینی باذجح السعید تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی (۹۷۸ھ-۱۰۳۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب "النور السافر فی رجال القرن العاشر"[2] کو انھیں کے تذکرہ پر ختم کیا ہے، جو ص ۴۶۶ سے ص ۴۸۰ تک پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان میں دسویں صدی میں اگرچہ سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ کی دونوں شاخیں (نظامیہ اور صابریہ) پھیلی ہوئی تھیں، اور ان میں متعدد باکمال اور صاحبِ حال شخصیتیں پائی جاتی تھیں، لیکن حقیقتاً یہ صدی سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کی صدی ہے جس نے

[1] واقعات مشتاقی [2] یہ کتاب ۱۰۱۲ھ میں احمد آباد میں لکھی گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جدید تعبیر کے مطابق) ہندوستان کے صاحب ولایت سلسلۂ چشتیہ سے اس ملک کا روحانی چارج لیا، اور سارے ہندوستان کو تسخیر کرلیا۔[1]

طریقۂ شطاریہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں، جو غالباً نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے، اور مانڈو میں سکونت اختیار کی، ۸۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، اور مانڈو میں اندرون قلعہ مدفون ہوئے، وہ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے، صاحبِ جذب قوی تھے، خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے ان کا سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا، اس طریقہ کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ کا تعلق شیخ محمد غوث گوالیاری سے ہے، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان تین واسطے ہیں، دوسری شاخ کے بانی شیخ علی بن قوام جونپوری (شیخ علی عاشقاں سرائے میری) ہیں، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان دو واسطے ہیں، اس سلسلہ نے غالباً پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا، اور ان کے سلوک کے بعض طریقے اور اذکار، اور بعض آسن اور حبس دم کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے مریدین کو ان کی تعلیم دی، نیز علم سیمیا کو بھی شامل کیا، ان آسنوں کی تشریح اور اس کے اذکار کی تفصیل "رسالہ شطاریہ" مصنفہ بہاء الدین ابن ابراہیم الانصاری القادری میں موجود ہے،[2] شیخ محمد شطاری کی تصنیف "کلید مخازن" میں مصنف کا ایک مستزاد ہے،

---

[1] اس صدی میں سلسلۂ مداریہ بھی جس کے بانی شیخ بدیع الدین مدار مکن پوری (م ۸۴۴ھ) تھے، ہندوستان میں پایا جاتا تھا، اس سلسلہ کا مدار و شعار وحدۃ الوجود کے افکار و مضامین کا برملا اظہار و اعلان تجرید ظاہری (اس حد تک کہ محض شرمگاہ کے چھپانے پر اکتفا کیا جائے) اور توکل محض ہے، مرور ایام کے ساتھ اس سلسلہ میں انحطاط اور بے قیدی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ "مداری" بازیگر کا مرادف قرار پایا، دسویں صدی میں یہ سلسلہ خواص کے حلقہ میں اپنی مقبولیت کھو چکا تھا، "نزہۃ الخواطر" کے حصۂ چہارم میں (جس میں ہر سلسلہ کے مشائخ کا استیعاب کیا گیا ہے) تلاش سے صرف دو اشخاص ملے جن کو سلسلۂ مداریہ میں بھی بیعت تھی۔

[2] ملاحظہ ہو نسخۂ قلمی موجود کتب خانہ ندوۃ العلماء فن تصوف ۴۸، صفحہ ۴۷-۴۹

جس سے وحدۃ الوجود، بت خانہ و مسجد، اور شیخ و برہمن کی مساوات کا، اور ان سب چیزوں میں خدا کی تجلی، بلکہ ظہور کا صاف صاف اظہار ہوتا ہے کہ یہ سب اسی وحدت کے الوان و مظاہر ہیں، آخر کا شعر ہے ؎

عشقی شد و در مشرب شطار برآمد۔ خود غوث جہاں شد[1]

"رسالہ عشقیہ" میں کافری کو "جلال عشق" اور مسلمانی کو "جمال عشق" کہا گیا ہے، اور یہ شعر ملتا ہے ؎

کفر و ایمان قرین یک دگراند
ہر کہ را کفر نیست ایماں نیست[2]

ایک جگہ لکھا ہے:۔

"العلم حجاب اکبر گشت، مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب اکبر است، ایں حجاب اکبر اگر ازمیان مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد، و عبادت خدائی و بندگی برخیزد"[3]

اس سلسلہ کے سب سے نامور و با اثر شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری تھے (م ۹۷۰ھ) جن کو رجوع عام اور قبول تام حاصل ہوا، اور جن کی شان و شوکت وزراء و امراء کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، ان کی جاگیر کی آمدنی نو لاکھ سکہ نقرئی[4] ان کے فیل خانہ میں چالیس[5] ہاتھی اور خدم و حشم کا ایک بڑا لشکر تھا، آگرہ کے بازار میں نکلتے تو ٹھٹھ لگ جاتے، ہر ایک کو جھک جھک کر سلام کرتے زمین پر سیدھا بیٹھنا مشکل ہو جاتا، ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ محمد غوث نے اکبر کو ترکیب سے اپنا مرید بنا لیا تھا لیکن بادشاہ نے جلد اس حلقۂ ارادت کو اپنی گردن سے دور کر دیا، اس امیرانہ بلکہ شاہانہ شان کے

---

[1] "کلید مخازن" ص ۱۹۶-۱۹۹ [2] "رسالہ عشقیہ" ص ۷ [3] ایضاً ص ۳ [4] بعض روایات میں ایک کروڑ تنک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود ملک میں ان کے فقر کی دھوم مچی ہوئی تھی، سلام کرنے کے وقت تا بحدّ رکوع جھک جاتے تھے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، علماء کو اس پر اعتراض تھا، ان کی تصنیفات میں "جواہر خمسہ" "معراجیہ"[1] "کنز الوحدۃ" اور "بحر الحیاۃ"[2] ہے، ہندوستان پر ان کا بڑا اثر پڑا، اور طریقۂ چشتیہ شطاریہ عام ہوا،[3] مجدد صاحب ان کے انتقال کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

اس سلسلہ میں شیخ علی بن قوام جونپوری معروف بہ علی عاشقان سرائے میری (م ۹۵۵ھ) شیخ لشکر محمد برہانپوری (م ۹۹۳ھ) شیخ اللہ بخش گڈھ مکتیسری (م ۱۰۰۲ھ) بڑے جلیل القدر مشائخ تھے، جن سے ایک عالم نے رجوع کیا، علی عاشقاں سرائے میری کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے بعد کسی سے ایسی کرامات کا ظہور نہیں ہوا جیسے ان سے،[4] شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلف و خلیفہ شیخ ضیاء اللہ اکبر آبادی (م ۱۰۰۵ھ) علامہ وجیہ الدین کے شاگرد تھے، پینتیس (۳۵) سال اکبر آباد میں (جو اکبر کا دار الحکومت تھا) رہے، بڑی مقبولیت حاصل کی، دربار اکبری میں کئی بار طلب کئے گئے، ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ میں نے ان کو سلام مسنون کیا، تو ان کو

---

[1] انھوں نے اپنے لئے معراج کا دعویٰ کیا تھا، جس پر علمائے گجرات میں بڑا ہنگامہ ہوا، لیکن ملک العلماء شیخ وجیہ الدین گجراتی نے (جو اس وقت کے اکثر علماء کے استاد تھے) اس کی علمی توجیہ کی جس سے ہنگامہ فرو ہوا۔

[2] یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے، شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رود کوثر میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:- "اس میں ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال کی تفصیل کو فارسی میں منتقل کیا ہے، اپنی ابتدائی تصنیف "جواہر خمسہ" میں ان کی ایک آدھ جھلک دکھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے جو اس کو ہندو جوگ سے تھا" (ص ۳۴-۳۶)

[3] مشائخ شطاریہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۴۔

[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "العاشقیہ" تصنیف عارف علی، یا "نزہۃ الخواطر" جلد پنجم۔

گراں گزرا، اور اس میں انھوں نے اپنی توہین محسوس کی، اور اس شعار اسلام اور سنت خیر الانام کی تضحیک کی، بدایونی نے ان کا اچھا نقشہ نہیں کھینچا ہے اور ان کے استہزاء کے واقعات لکھے ہیں[1]۔

ان حضرات کے علاوہ شاہ عبداللہ سندیلوی (۹۲۴ھ - ۱۰۱۰ھ) اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندی خلیفہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف باللہ (جو حضرت مجدد صاحب کے معاصر اور قریب العمر ہیں) نامور مشائخ عشقیہ شطاریہ میں تھے[2]۔

سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کے ان نامور مشائخ کے علاوہ ہندوستان میں دوسرے جلیل القدر مشائخ بھی موجود تھے، جن کا دوسرے سلسلوں سے تعلق تھا، ان میں سے ایک شیخ جائیں لدہ سہنوی[3] (م ۹۹۶ھ) ہیں، وہ "فصوص" اور "نقد النصوص" کا درس دیتے تھے، اکبر ان کا معتقد تھا، ایک دن ان کو صلوٰۃ معکوس پڑھتے دیکھا تو چلا گیا[4]، دوسرے شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی (۸۸۶ھ - ۹۴۹ھ) قادری چشتی تھے، وہ صاحب تدریس و تصنیف عالم ہونے کے باوجود اپنے عہد میں وحدۃ الوجود اور شیخ اکبر کے مسلک کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کے اس موضوع پر کئی رسائل ہیں، شیخ عبدالعزیز شکر بار (۸۹۵ھ - ۹۷۵ھ) بھی وحدۃ الوجود کے قائل اور صاحب حال بزرگ تھے، وہ بھی "فصوص الحکم" اور اس کی شروح کا درس دیتے تھے، یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد مادری میں بھی ہیں۔

اسی صدی میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر پہونچا، اور ان سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو نئی تازگی اور طاقت حاصل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "منتخب التواریخ" ملا عبدالقادر یا "نزہۃ الخواطر" جلد ۵۔ [2] ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۵

[3] سہنہ ضلع گڑگانوہ (مشرقی پنجاب) میں ایک قصبہ ہے جہاں کا گرم چشمہ مشہور ہے۔ [4] "نزہۃ الخواطر" جلد ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی، وہ وحدۃ الوجود کے اسرار برملا زبان سے کہتے اور اس کے داعی تھے، جونپور میں شیخ قطب الدین بینا دل (۷۷۶ھ ـ ۹۲۵ھ) طریقۂ قلندریہ میں، اور کیتھل (ضلع انبالہ) میں شیخ کمال الدین (م ۹۷۱ھ) سلسلۂ قادریہ کے سرحلقہ اور صدر نشین تھے، جن سے ان دونوں طریقوں نے نئی آب و تاب پائی، شیخ کمال کیتھلی کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "جب نظر کشفی سے دیکھا جاتا ہے تو اس سلسلۂ عالیہ (قادریہ) میں پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر کے بعد ان سے بلند مرتبہ و باکمال شیخ نظر نہیں آتا"[۱] اودھ میں شیخ نظام الدین امیٹھوی معروف بہ بندگی میاں (۹۰۰ھ ـ ۹۷۹ھ) سلسلۂ چشتیہ کے بڑے شیخ، حامی شریعت، اور متبع سنت بزرگ تھے، "احیاء العلوم" اور "عوارف" و "رسالہ مکیہ" پر ان کا عمل تھا، ایک شخص کے ہاتھ میں "فصوص" دیکھی تو اس کو چھین لیا، اور دوسری کتاب مطالعہ کو دی، ان کے سلسلہ میں اگرچہ سماع عام تھا، لیکن وہ اس سے محترز تھے۔[۲]

یہ تھی اس وقت دنیائے اسلام کی مذہبی و روحانی صورت حال، اور یہ تھے ہندوستان کے مختلف المشرب اور متفاوت الدرجات شیوخ طریقہ اور اصحاب سلسلہ جو دسویں صدی ہجری میں مختلف مقامات پر اپنے روحانی اور تربیتی مرکز قائم کئے ہوئے تھے، اور ہندوستان میں گہرا دینی رجحان رکھنے والے طالب خدا اور محب الفقراء عوام و خواص ان سے کسی نہ کسی درجہ میں وابستہ اور ان کے حلقہ بگوش تھے، اس کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا، تاکہ مجدد صاحب کے عہد کی فضا، مذاق، رجحان، اور اس عہد میں دین کے احیاء و تجدید کے کام کے امکانات اور مشکلات دونوں کا اندازہ ہو۔

۱؎ زبدۃ المقامات ص۳۰۱ ۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۴

علمی حالت

دسویں صدی ہجری اگرچہ علمی اختراع و ابتکار، مجتہدانہ فکر و نظر، علوم کی تدوین جدید اور ان میں وقیع اضافہ کی صدی نہیں تھی، یہ خصوصیات آٹھویں صدی کے وسط تک نمایاں نظر آتی ہیں، جس میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ)، علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۱۴ھ) علامہ جمال الدین ابوالحجاج المزی (م ۷۴۲ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) علامہ ابوحیان نحوی (م ۷۴۵ھ) جیسے سر آمد روزگار علماء پیدا ہوئے، جنھوں نے حدیث، اصول و علم کلام، فن رجال، اور علوم عربیت میں بلند پایہ اور گرانقدر تصنیفات یادگار چھوڑیں، امام فن حدیث علامہ ابن حجر العسقلانی صاحب "فتح الباری" (م ۸۵۲ھ) کا دور بھی گذر چکا تھا، جن کی بے نظیر شرح بخاری کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لا ھجرۃ بعد الفتح"۔

دسویں صدی زیادہ ترجمع و ترتیب، اور تسہیل و تلخیص کی صدی تھی، پھر بھی اس کے اوائل میں علامہ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) جیسے علوم دینیہ کے بحر زخار، اور اسلام کے مصنفین کبار گزرے ہیں، علامہ سخاوی کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ امام شمس الدین ذہبی کے بعد علم حدیث، فن رجال اور تاریخ میں ان کے پایہ کا شخص پیدا نہیں ہوا، ان کے بعد فن حدیث کا زوال شروع ہوگیا، اصول و مصطلحات الحدیث میں ان کی کتاب "فتح المغیث لشرح الفیۃ الحدیث" اور تذکرہ رجال میں "الضوء اللامع لأھل القرن التاسع" اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں، علامہ سیوطی تعریف و تعارف سے مستغنی ہیں کہ ان کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم مصنفین میں ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کی بعض کتابیں اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہیں، اور تفسیر جلالین کے نصف اول نے جو ان کی تصنیف ہے، اور صدیوں سے درس میں داخل چلی آرہی ہے، ان کے نام کو اس وقت تک زندہ اور تابندہ رکھا ہے۔

اس صدی میں مصر و شام و عراق میں فن حدیث و علم رجال، ایران میں علوم حکمیہ، (منطق و فلسفہ) ترکستان و ہندوستان میں علم فقہ (حنفی) کا زور تھا، اور یہی معیار فضیلت اور درجۂ کمال سمجھے جاتے تھے، مصر میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی، صاحب شرح صحیح البخاری (م ۹۲۳ھ) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری (م ۹۲۵ھ) ترکی میں علامہ ابوالسعود صاحب تفسیر (م ۹۵۲ھ) حجاز میں علامہ ابن حجر ہیتمی صاحب "الصواعق المحرقۃ" وکتب کثیرہ (م ۹۷۴ھ) اور علامہ علی متقی صاحب کنز العمال (م ۹۷۵ھ) رونق افروز تھے، اور ایک عالم کو اپنے درس سے مستفید کر رہے تھے، مشہور محقق و منصف حنفی عالم و مصنف ملا علی قاری اگرچہ ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے، لیکن مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرکے ایک عالم کو اپنے علم سے فیضیاب کر رہے تھے، ان کا انتقال اگرچہ گیارہویں صدی کے اوائل (۱۰۱۴ھ) میں ہوا، لیکن ان کی علمی و تصنیفی خدمات کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہی ہے، اسی صدی کے آخر میں ادیب و مؤرخ علامہ قطب الدین نہروالی[۱] مکی (صاحب "الاعلام فی اخبار بیت اللہ الحرام") نے ۹۹۰ھ میں انتقال کیا، جن کا خمیر ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا تھا، اور جن کے کمال کی قدر ترکی و حجاز کے سلاطین و امراء نے کی۔

ایران کی سرزمین علامہ جلال الدین دوانی (م ۹۱۸ھ) ملا عماد بن محمود طارمی (م ۹۴۱ھ) اور علامہ غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کی ذات پر مفتخر و نازاں تھی، جنھوں نے

[۱] نہروالا انہلواڑہ کی تعریب ہے جو پٹن (گجرات) کا پرانا نام ہے، اور جس کو ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے فتح کیا۔

علم و حکمت کے دریا بہادیئے تھے، جن کی موجیں ہندوستان تک پہنچیں، اس عہد کے آخر کے بہت بڑے علماء میں شیخ محمد بن الشیخ ابی الحسن صدیقی شافعی اشعری مصری تھے، جن کو الاستاذ الاعظم، اور قطب العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، مضامین عجیبہ اور نکات غریبہ بیان کرنے میں فرد فرید تھے، اور ربط آیات اور تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، جامع ازہر میں درس دیتے تھے، شائقین علم پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے صاحب باطن، شیخ طریقت اور شاعر و ادیب تھے،[۱] ۹۹۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، اسی طرح مشہور ہندی محدث رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندھی حنفی (م ۹۹۴ھ) جنھوں نے حجاز میں بیٹھ کر حدیث کی دولت عام کی، اور اپنی مہارت فن اور استادی کا دلوں پر سکہ بٹھا دیا، ملک العلماء علامہ وجیہ الدین ابن نصر اللہ گجراتی جنھوں نے نصف صدی علوم دینیہ و عقلیہ کا درس دیا، اور جن کے تلامذہ نے ایک صدی سے زائد درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اسی صدی کے نصف آخر کی زینت تھے، اور اسی صدی کی انتہا پر ۹۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا، اس وقت یمن روایت و اسناد حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، اور وہاں محدث یمن طاہر بن حسین بن عبدالرحمٰن الاہدل مسند آرائے درس تھے، اور اسی سال ۹۹۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔[۲]

اس عہد میں ہندوستان میں فضلائے ایران کی آمد شروع ہوگئی تھی، جو علامہ جلال الدین دوانی، ملا عماد ابن محمود طارمی، اور میر غیاث الدین منصور کے فیض یافتہ تھے، ہمایوں کے زمانہ میں مولانا زین الدین محمود کمان گر بہدائی، تلمیذ مولانا جامی و مولانا عبدالغفور لاری، ہندوستان آئے اور بادشاہ نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی، اکبر کے زمانہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "النور السافر" ص ۴۱۲-۴۲۹ [۲] حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو علامہ محمد بن علی شوکانی کی کتاب البدر الطالع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حکیم ہمام) اور نور الدین قراری تینوں فاضل بھائی گیلان سے آئے، اور دربار میں رسوخ پیدا کیا، کچھ عرصہ کے بعد ملا محمد یزدی ولایت (ایران) سے آئے، اور امیر فتح اللہ شیرازی بھی بیجا پور ٹھہرتے ہوئے دربار اکبری کی رونق وزینت بنے، وہ میر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے، ۹۹۳ھ میں صدر ہوئے، ہندوستان میں علمائے ایران کی تصنیفات وہی لائے، انھوں نے یہاں کے نصاب اور طریقۂ درس پر ایسا گہرا اثر ڈالا جس نے بالآخر درس نظامی کی ترقی یافتہ شکل اختیار کی، اور جو ہندوستان کے علمی و درسی حلقوں پر ابھی تک غالب اور حاوی ہے[1]۔

اس عہد میں بالخصوص جنوبی ہند میں نیشاپور، استر آباد، جرجان، مازندران، اور گیلان، کے بہت سے فضلاء اور ادباء کے نام ملتے ہیں، جو درباروں میں رسوخ رکھتے تھے[2]۔

افغانستان بھی اپنی سپہ گری اور سیف زنی کے ساتھ علم و درس کی دولت سے محروم نہ تھا، قاضی محمد اسلم ہروی جن کا انتقال ہندوستان میں ۱۰۶۱ھ میں ہوا، ہرات میں پیدا ہوئے، اور افغانستان ہی میں مولانا محمد فاضل بدخشانی سے تحصیل علم کی، مولانا محمد صادق حلوائی بھی اس وقت افغانستان کے بڑے علماء میں تھے، ہرات ایران کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے علوم حکمت کا مرکز تھا، اور اس کے فرزندوں میں قاضی محمد اسلم ہروی اور ان کے نامور و باکمال فرزند مولانا محمد زاہد نے (جو میر زاہد کے نام سے ہندوستان کے مدرسی حلقہ میں معروف و مشہور ہیں) علوم حکمیہ میں بڑا نام پیدا کیا، عرصہ تک مؤخر الذکر کے تین حواشی جو "زواہد ثلاثہ" کے نام سے مشہور ہیں، اساتذہ و علماء کے مرکز توجہ اور معیار فضیلت بنے رہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" یا اس کا ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" اور مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۴۔

علمائے ہند کے تلمذ و استفادہ کا یہ تعلق صرف ایرانی فضلاء اور ولایت کے اساتذۂ فن ہی سے جاری نہیں تھا، فضلاء و محدثین مصر و حجاز اور یمن سے بھی قائم تھا، شیخ راجح بن داؤد گجراتی (م ۹۰۴ھ) نے علامہ سخاوی سے حدیث میں استفادہ کیا تھا، علامہ سخاوی نے ان کو شیخ العلاء البخاری الحنفی کی ابن عربی کے بارے میں رائے اور مسلک بتایا، تاکہ وہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو اس سے باخبر کریں، اور شیخ اکبر کے بارے میں ان کی جو خوش فہمی ہے، وہ زائل ہو[1]، علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں اپنے ان ہندی شاگرد کا تذکرہ لکھا ہے اور ان کے علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے، اپنے زمانہ کے امام فن حدیث شیخ علی بن حسام الدین المتقی صاحب "کنز العمال" جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "سیوطی کا احسان ساری دنیا پر ہے اور علی متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے" علامہ ابو الحسن الشافعی البکری مدرس حرم مکی، اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی مفتی و محدث مکہ کے تلمیذ رشید تھے۔

سطور بالا سے اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہندوستان سمندر اور فلک بوس پہاڑوں سے گھرے ہوئے ہونے کے باوجود (جس میں باہر کی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ بلوچستان کا درۂ بولان اور شمالی مغربی سرحد کا درۂ خیبر تھا) علمی اور ثقافتی طور پر باہر کی دنیا سے کلی طور پر کٹا ہوا نہیں تھا، اس کے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری تھا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا استفادہ افادہ سے، اور "درآمد" کا عمل "برآمد" کے عمل سے بڑھا ہوا تھا، اور ایسا ہونا قدرتی امر بھی تھا، کہ ہندوستان میں دین اور علم دونوں ترکستان و ایران کے راستہ ہی سے پہونچے تھے۔

---

[1] "نزہۃ الخواطر" جلد ۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشارِ خیال

لیکن دسویں صدی کا سیاسی، دینی و علمی جائزہ نامکمل رہے گا، اگر اس ذہنی بےچینی اور اعتقادی انتشارِ خیال کا ذکر نہ کیا جائے، جو اس دور میں ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا، تاکہ اس ص ی کی صحیح صورت حال سامنے آجائے، اور یہ غلط فہمی نہ ہو کہ زندگی کے دریا میں جو ہزاروں میل کی مسافت میں بہہ رہا تھا، کامل سکون تھا، جس میں دین کی تعلیم واشاعت، اور اخلاق و روحانیت کی تربیت و ترقی کی کشتی پورے اطمینان کے ساتھ چلائی جاسکتی تھی، اور اس کو کسی تلاطم یا بھنور کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو "احیاء و تجدید دین" کے بجائے اس دور کے لئے "تعلیم و تربیت" اور "نشر و اشاعت" کا عنوان زیادہ موزوں تھا، ہندوستان کے اسلام کے دینی و ثقافتی مرکز (حجاز مقدس اور مصر و شام و عراق) سے دور ہونے، اسلام کے یہاں ترکستان و ایران کا چکر کاٹ کر پہونچنے، عربی زبان کے رائج نہ ہونے، اور خاص طور پر علم حدیث کی (جس سے دین کی صحیح روح، سنت و بدعت کا فرق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ضرورت کا احساس، اور صحیح دینی احتساب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے) عدم اشاعت، حج اور طلب علم کے لئے باہر کے ملکوں کے سفر کی دشواریوں، اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کا غیر مسلم اکثریت سے گھرے رہنے نے (جو اپنے مذہب میں سخت راسخ الاعتقاد، غیر اسلامی رسم و رواج کی سختی سے پابند اور حد درجہ توہم پرست تھی) ہندوستان کے مسلمانوں کو انتشار پسند دعوتوں، گمراہ کن فرقوں اور طالع آزما مذہبی پیشہ وروں کی آسان چراگاہ بنا دیا تھا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی تشیع کی وہ غالی اور جارحانہ شکل تھی، جو ایرانیوں کے اثر سے

جنوبی ہند کے بعض مقامات اور کشمیر میں پیدا ہوئی، دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والیٔ سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے (جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر احمد نگر آئے تھے) تشیع قبول کیا، اور اس میں بڑا مبالغہ کیا، یہاں تک کہ مساجد، خانقاہوں، بازاروں اور سڑکوں پر خلفاء ثلاثہ پر علی الاعلان تبرا کرنے کا حکم دیا، اس خدمت کے انجام دینے والوں کے بڑے بڑے مشاہرے مقرر کئے، اہل سنت میں سے بہت سے لوگوں کو قتل اور گرفتار کیا[1]، دوسری طرف میر شمس الدین عراقی کی کوشش سے کشمیر میں تشیع پھیلا، انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی، کہتے ہیں کہ چونتیس[34] ہزار ہندو شیعہ ہو گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جدید مذہب بھی ایجاد کیا جس کا نام نوربخشی تھا، اور فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کے مسائل نہ تو اہل سنت کے مسائل سے اتفاق رکھتے ہیں، نہ فرقۂ امامیہ کے مسائل کے مطابق ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑی جس کا اعتقاد تھا کہ سید محمد نوربخش مہدی موعود تھے[2]۔

۹۵۰ھ میں فوجی مدد اور سلطنت ایران کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ہمایوں عازم ایران ہوا، اس وقت ایران میں شاہ طہماسپ تخت نشین تھا، شاہ ایران نے ہمایوں سے مذہب تشیع قبول کرنے کی فرمائش کی، ہمایوں نے کہا کہ ایک پرچہ پر تمام معتقدات لکھ دیئے جائیں، بادشاہ نے بطریق نقل اس کو پڑھ دیا[3]، بادشاہ کے تبدیلی مذہب کی اگرچہ کوئی مستند شہادت نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ایران کے قیام، شہنشاہ ایران کی فیاضانہ میزبانی و مسافر نوازی اور فراخدلانہ فوجی مدد سے ممنونیت و تشکر کے نتیجہ میں اس کے دل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری (مصنف فرقۂ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا تھا)

[2] ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری۔ [3] منتخب التواریخ حصۂ اول ص ۴۴۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مذہب اثنا عشری کے لئے وہ نرم گوشہ ضرور پیدا ہو گیا ہوگا، جو اس کے راسخ الاعتقاد تیموری اسلاف کے دل میں (جو راسخ الاعتقاد سنی حنفی تھے، اور ان میں سے بعض کو بعض مشائخ نقشبندیہ سے ارادت کا تعلق بھی تھا) پایا نہیں جاتا تھا، ہمایوں کی مدد کے لئے ایران سے امرائے قزلباش آئے تھے، ہمایوں خود نیک دل، شائستہ و مہذب انسان تھا، ہر وقت باوضو رہتا تھا، اللہ رسول کا نام بغیر طہارت کے نہیں لیتا تھا، کتب خانہ کے زینے سے جہاں اذان سن کر بیٹھ گیا تھا، پھسل کر گرا، اور ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو وفات پائی۔

اس کے امرائے خاص، اور ارکان سلطنت میں بیرم خانخاناں بڑی خوبیوں اور کمالات کا امیر و سردار تھا، رقیق القلب، جمعہ و جماعت کا پابند، علماء و مشائخ کا قدردان تھا، لیکن تفضیلی تھا، اس کا مشہور شعر ہے ۔

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر، افسر او
اگر غلام علی نیست، خاک بر سر او

میر شریف آملی علوم حکمت میں مہارت تامہ رکھتا تھا، وہ اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا، اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی، پہلے ۹۹۳ھ میں کابل، پھر ۹۹۹ھ میں بنگالہ کی صدارت کے عہدہ پر سرفراز کیا، اور اس کو اجمیر اور موہان میں جاگیر دی، "مآثر الامراء" کے مصنف خوافی خاں کے بیان کے مطابق وہ ملحدانہ خیالات رکھتا تھا، تصوف کو فلسفہ سے مخلوط کیا اور عینیت کا قائل تھا۔

ہندوستان میں دو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لئے خطرناک اور باعث تخریب تھیں، ان میں سے ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ تھا جس کی بنیاد نبوت محمدی کے الف اول پر اختتام، اور الف ثانی سے ایک نئی نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے،

یہ تحریک بلوچستان میں پھلی پھولی، لیکن وہ جس شخص کو پیغمبر مانتی ہے، اس کے بقول اس کا ظہور ۹۷۷ھ میں بمقام اٹک ہوا، اس فرقہ کی کتاب "ذکری کون ہیں؟" کا مصنف بانی فرقۂ ذکریہ ملا محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"آپ شب دوشنبہ بوقت بام (صبح) قطب شہر سے بطرف زمین بصورت انسانی و لباس فقیری اٹک کے پہاڑی علاقہ میں ایک اونچی پہاڑی پر ۹۷۷ھ میں قدم مبارک رکھ کر آشکار ہوئے[1]"

ذکری ملا محمد موصوف کو خاتم النبیین اور افضل الرسل، اور نور اولین و آخرین مانتے ہیں، موسیٰ نامہ قلمی میں ہے:۔

"حق تعالیٰ گفت اے موسیٰ بعد از مہدی پیغمبر دیگر نیا فریدم نور اولین و آخرین ہمیں است کہ پیدا خواہم کرد[2]"

اس فرقہ کی کتابوں "معراج نامہ قلمی" "ثنائے مہدی" (مطبوعہ) "سفرنامہ مہدی" "ذکر الٰہی" وغیرہ میں ایسی صریح عبارتیں آئی ہیں، جن سے ملا محمد موصوف کی تنزیہ و تقدیس اور ان کے بارے میں ایسے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار ہوتا ہے، جن سے ان کی تمام انبیاء پر ترجیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت، اور جرأت افترا و تخلیق، اور دجل و تلبیس کے عجیب نمونے ظاہر ہوتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مستقل کلمہ بھی وضع کیا تھا، جو "لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ" تھا، نماز پڑھنے والوں کی تکفیر و تضحیک کرتے تھے[3] اسی طرح روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے وہ منکر ہیں، بجائے حج بیت اللہ کے حج کوہ مراد کو ضروری سمجھتے تھے[4] تاریخ خوانین بلوچ میں ہے کہ بلوچستان کے کچھ

۱؎ "ذکری کون ہیں؟" ص۱۳ ۲؎ ایضاً ص۱۸ ۳؎ اعتقاد نامہ قلمی ۴؎ ملاحظہ ہو ذکری مصنفین کی تصنیفات "ذکر توحید" (مطبوعہ) "میں ذکری ہوں" "تفسیر ذکر اللہ" (مطبوعہ) اور تصنیفات مذکورۃ الصدر نیز ملاحظہ ہو بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیر جس میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ ان کے اور اہل سنت کے عقائد میں بنیادی اختلاف ہے (ص۱۱۲ مطبوعہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقوں میں ذکری جیسا خلاف اسلام مذہب جاری وساری تھا، اور وہ لوگ مسلمانوں کو نمازی کہہ کر قابل گردن زدنی گردانتے تھے، میر نصیر خاں اعظم نے ایک طرف شرع محمدی کا نفاذ اور اجرا فرمایا اور دوسری طرف ذکریوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلۂ جہاد جاری رکھا تا آنکہ بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر بیخ کنی کی گئی۔[1] الخ

ہندوستان میں دوسرا مشتبہ فرقہ فرقۂ روشنائیہ تھا، افغانوں کی زوال پذیر طاقت کو سہارا دینے اور مغلوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لئے فرقۂ روشنائیہ نے جو اہم کردار ادا کیا،[2] اس نے اس عہد کے مصنفین کے بیانات کو محل غور اور محتاج تحقیق بنا دیا ہے کہ ان میں سیاسی اغراض کہاں تک کار فرما ہیں، اور تاریخی حقیقت کتنی ہے؟ اس فرقہ کے معتقدوں اور حامیوں اور اس کے مخالفین کے بیانات میں اتنا تضاد ہے کہ ایک بانی فرقہ کو "پیر روشن" کے نام سے یاد کرتا ہے، اور دوسرا "پیر تاریک" کہتا ہے، اس فرقہ کے بانی بایزید انصاری تھے، جو پیر روشان (یا روشن) بھی کہلاتے ہیں، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، جالندھر میں ۹۳۱ھ میں (بابر کی سلطنت سے ایک سال قبل) پیدا ہوئے، ان کا بچپن اور عنفوان شباب خاندانی کشمکش اور بزرگوں کی بے توجہی میں گزرا، اور اس کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی، کسی سفر کے

---

[1] تاریخ بلوچ، اس مضمون میں رسالہ "الحق" (اکوڑہ خٹک) کے ۱۹۷۹ء کے شمارہ کے ایک مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے جو مولانا عبدالحق صاحب صدر مدرس دار العلوم تربت بلوچستان کے قلم سے ہے، نیز ملاحظہ ہو ذکری مذہب کا تفصیلی جائزہ، الحق، جنوری ۱۹۸۰ء

[2] اس عہد میں تصوف کا جو اثر اور اس کی غیر معمولی مقبولیت تھی، اس کو دیکھتے ہوئے بعض دور اندیشوں اور حوصلہ مندوں کا یہ خیال مستبعد نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس کو پٹھانوں کی شیرازہ بندی کا ذریعہ بنا کر اور انھیں ایک مذہبی تحریک کے پرچم تلے جمع کر کے مغلیہ حکومت کے خلاف آمادۂ جنگ کیا جا سکتا ہے، اور اس سے افغانوں کے زائل شدہ اقتدار کو واپس لایا جا سکتا ہے۔

دوران (بعض روایات کے مطابق) ان کی ملاقات سلیمان اسماعیلی سے ہوئی جو گیوں کی صحبت کا حاصل ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے، ان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق انھیں خواب نظر آنے لگے اور عالم غیب سے آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ ذکر خفی میں منہمک ہو گئے، اور کچھ عرصہ کے بعد اسم اعظم کے ورد میں ان کو استغراق ہوا جب وہ اکتالیسویں برس کو پہونچے تو انھیں ہاتف نے ندا دی کہ اب انھیں طہارت شرعی کو ترک کر دینا چاہئے اور مسلمانوں کی نماز کی جگہ انبیاء کی نماز پڑھنا چاہئے،[1] اس کے بعد وہ سب کو مشرک و منافق سمجھنے لگے اور چلہ کشی شروع کر دی، اس کے بعد انھیں علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کا حکم ملا، دعوائے مہدویت اور الہام ربانی کا بھی ان پر الزام ہے،[2] ان کے مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی، انھوں نے بعض کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، تا کہ وہ تبلیغ کے کام کو اور زیادہ وسیع کریں۔

لیکن ان کی تصنیف "صراط التوحید" میں ان کی جو تعلیمات آئی ہیں، وہ تصوف کی مائل بافراط تعلیمات اور غالی خود شناسی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، جو کسی شیخ کامل اور کتاب وسنت کے علم راسخ کے بغیر اکثر بطور خود ریاضت کرنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کے بعض اصول و عقائد بیان کئے گئے ہیں، وہ غالباً ان کے ضوابط جنگ ہیں، جو اس زمانہ سے متعلق ہیں، جب وہ مغلوں اور اپنے مخالف افغان قبائل سے برسر پیکار تھے۔

انھوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد و مرید بنا لیا، ہندیوں میں اپنا تبلیغی کام شروع کیا، سندھیوں اور بلوچیوں میں بھی ان کا اثر پھیلنا شروع ہوا، پیروں

---

[1] لیکن خود شیخ بایزید نے اپنی کتاب "مقصود المؤمنین" میں لکھا ہے کہ "شریعت درخت کی چھال کی مانند ہے، اور درخت کی بقا چھال کے بغیر ناممکن ہے" ص۱۴۴، نسخہ قلمی کتب خانہ جامعہ پنجاب۔ [2] شیخ بایزید نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ مہدی ہیں جیسا کہ اس مباحثہ کی سرگذشت میں موجود ہے جو ان کے اور کابل کے قاضی خان کے درمیان ہوا تھا، نسخہ قلمی جامعہ پنجاب۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور علماء کی انتہائی مخالفت کے باوجود ان کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی، شیخ بایزید نے اپنے داعی اور مبلغ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں، امراء و علماء کے پاس بھیجے، ان میں سے ایک شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی آیا، ان کی زندگی کے آخری ڈھائی سال مغلوں سے جنگ میں گزرے اور ۹۸۰ھ میں کالاپانی کے مقام پران کا انتقال ہوگیا، اور ہشت نگر میں دفن ہوئے، ان کی تصنیفات میں سے تین کتابیں (خیر البیان، مقصود المؤمنین، صراط التوحید) موجود ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بنا کردہ فرقہ کے اصول و عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں سے "خیر البیان" اور "مقصود المؤمنین" ان کے ماننے والوں کے نزدیک نیم مقدس کتابوں کا حکم رکھتی تھیں، ان کے سب سے بڑے مخالف اخوند درویزہ تھے، جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (م ۹۹۱ھ) کے مرید تھے، انھوں نے ان کی تردید میں کتاب "مخزن الاسلام" لکھی، "حال نامہ پیر دستگیر" (فارسی) شیخ بایزید کی خود نوشت سوانح حیات ہے، اس کو علی محمد مخلص نے اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

اندرونی اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے خستہ حال ہو کر نیز علماء کی شدید مخالفت کے باعث اور اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تتر بتر ہوگئے، اس فرقہ کے افراد کم ہوتے ہوتے بالآخر تقریباً ناپید ہوگئے۔[1]

"داستان ترکتازان ہند" کا مصنف مرزا نصر اللہ خاں فدائی دولت یار جنگ اس فرقہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"روشنائی اس فرقہ کا نام ہے جس کی بایزید نامی ایک شخص نے جو اہل ہند میں سے تھا بنیاد ڈالی، اس نے افغانوں میں جا کر پیغمبری کا دعویٰ کیا، اور اپنے کو پیغمبر روشنائی کہلایا، اور ان کو اپنا پیرو

---

[1] مستفاد از مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم مشمولہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۴۔

بنایا، انھوں نے آسمانی صحیفوں کو جواب دیا اور خدا کی عبادت ترک کی، اس کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا[1] اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں، پیغمبر عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تھا، وہ لوگوں کو بشارت سناتا تھا کہ وہ دن قریب ہے کہ پورا کرۂ ارض ان کے زیر تصرف ہوگا۔

حالنامہ نوشتہ بایزید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو الہام ہوتا تھا، اور جبریل ان پر نزول کرتے تھے، اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا، وہ خود اپنے کو نبی سمجھتے تھے، نماز پڑھتے تھے لیکن قبلہ کا تعین ضروری نہیں سمجھتے تھے "فأینما تولوا فثمّ وجہ اللّٰہ" سے استدلال کرتے تھے، پانی سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اپنے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے تھے"۔[2]

مصنف نے اس سلسلہ میں ان کے بعض ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں، جو عارفانہ اور متصوفانہ ہیں، اور جن میں کوئی قدح نہیں کی جا سکتی، لیکن اسی کے ساتھ خلاف اسلام خیالات بھی ہیں، یہ "ان کے یہاں خود شناسی و خدا شناسی سب سے اہم چیز تھی، اگر ہندو کو خود شناس دیکھتے تو مسلمان پر ترجیح دیتے، مسلمانوں سے جزیہ لیتے، خمس بیت المال میں داخل کرتے، اور اہل حاجت پر تقسیم کرتے، ان کے سب فرزند فسق و فجور سے مجتنب، اور ظلم و ستم سے بہت دور تھے، عربی، فارسی، ہندی، اور پشتو میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، ان کی ایک کتاب "خیر البیان" ہے، جو چار[4] زبانوں میں ہے، اور وہ حق تعالٰے کا براہ راست ان کو خطاب اور ان کے عقیدہ میں آسمانی کتاب ہے"۔[3]

---

[1] اس عہد میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی، صوفیا و مشائخ کی اکثریت (کم سے کم ہندوستان میں) اس عقیدہ میں غلو رکھتی تھی۔ (مصنف) [2] ص ۳۰۴-۳۰۵ [3] منقول از حالنامہ بایزید در دبستان مذاہب ملا محسن خانی ص ۳۰۶-۳۰۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاصر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید نے افغانوں کی ایک بڑی طاقت مہیا کر لی تھی، اور کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درۂ خیبر پر بھی قبضہ کر لیا تھا، اور پاس پڑوس پر بھی حملہ کرنے لگے تھے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اکبر نے ایک فوج بھیجی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کر سکی بایزید کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین سلطنت مغلیہ کے لئے خطرہ بنے رہے، راجہ مان سنگھ، بیربل اور زین خاں بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئے، اور بیربل تو ایک مقابلہ میں مارا گیا، مان سنگھ ۹۹۵ھ کے حملہ میں بھی روشنائیوں کے مقابلہ میں ناکام رہا، یہ فتنہ شاہجہاں کے عہد ۱۰۵۰ھ میں ختم ہوا۔[1]

مہدویت

اس عہد کی سب سے زلزلہ انگیز تحریک، تحریک مہدویت تھی، جس کے بانی سید محمد (ابن یوسف) جونپوری (ولادت ۸۴۷ھ) کی وفات اگرچہ دسویں صدی کی ابتدا (۹۱۰ھ) میں ہو گئی تھی، لیکن اس کے اثرات دسویں صدی کے اخیر تک باقی رہے، غیر جانب دارانہ تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس تحتی بر اعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ، اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک، موافقت و مخالفت میں معاصر اور بعد کے مؤرخین و مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے ہم ان نتائج تک پہونچتے ہیں :-

(۱) سید محمد جونپوری باطنی اور خلقی طور پر ان عالی استعداد اور قوی الباطن لوگوں

[1] ملخص از داستان ترکتازان ہند۔

میں تھے، جو زمانۂ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں، وہ عنفوان شباب ہی میں بڑے جری و شجاع، اپنے ماحول اور دَور کے حالات سے غیر مطمئن، بے محابا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور منکرات شرعی پر زجر و توبیخ کرنے والے تھے، اور اسی وجہ سے اسی زمانہ میں ان کو اسد العلماء کا خطاب دیا گیا تھا، سلوک کی تعلیم شیخ دانیال[1] سے حاصل کی، اور شدید ریاضت و مجاہدہ کیا، پہاڑوں اور وادیوں میں عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کی جس کا اکثر نتیجہ (بالخصوص جب شیخ کامل کی نگرانی اور رہنمائی حاصل نہ ہو) ایسے واردات و اشارات ہوتے ہیں، جن سے لغزش کا اندیشہ اور بعض اوقات غلط الیقین کا حصول ہوتا ہے، اور ایسا شخص جو مقام تحقیق و رسوخ کو نہ پہونچا ہو الفاظ کو غلط محل پر چل، اور اشارات غیبی کو غلط معنی میں سمجھ سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے اسی دوران کسی سفر میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اس کے بعد بھی متعدد بار مختلف مقامات پر اپنے "مہدی موعود" ہونے کا اعلان کیا، اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

(۲) وہ کثرتِ ریاضت، قوت باطنی اور جذبۂ امر بالمعروف کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے صاحبِ تاثیر تھے، ان کی شخصیت و صحبت، ان کی گفتگو اور بیان سامعین و حاضرین پر جادو کا اثر رکھتا تھا، اور سلاطین و امراء سے لے کر عوام و خواص تک سب پر بے خودی، اور خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی، اور ان کے لئے بڑے سے بڑے منصبوں اور جاہ و حشمت کو خیر باد کہہ کے، ترک دنیا اور ترک وطن کر کے ان کے ہم رکاب ہو جانا، اور اپنے کو ان کے حوالہ کر دینا آسان ہو جاتا تھا، دار الحکومت مانڈو میں یہی غیاث الدین شاہ خلجی کے ساتھ پیش آیا، اور یہی جانپانیر گجرات میں محمود شاہ گجراتی پر اثر ہوا، یہی احمد نگر، احمد آباد، بیدر

[1] افسوس ہے کہ کتب تراجم و تذکرہ میں ان کے حالات نہیں ملتے، "مآثر الامراء" تالیف نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ دانیال راجی حامد شاہ مانکپوری کے خلیفہ تھے (ج ۱ ص ۱۲۴) راجی حامد شاہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے بلند مرتبہ و نامور مشائخ میں ہوئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور گلبرگہ میں دیکھنے میں آیا، ایک خلقت کی خلقت نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اور ہزاروں آدمی ان کے قافلہ میں شامل ہوگئے، سندھ کے علاقہ میں بھی ایک شہر آشوب کا منظر نظر آیا، اور لوگوں کو تھامنا مشکل ہوگیا، قندھار میں بھی ان کے بیان نے قیامت برپا کردی، اور حاکم قندھار مرزا شاہ بیگ کا ان کی طرف میلان ہوگیا۔

(۳) ان کی زندگی ترک و تجرید، زہد و استغناء، قطع ماسوی اللہ کی زندگی تھی، اور سفر و حضر میں ان کے "دائرہ" میں اسی زہد و ایثار، اور ذکر و عبادت کی فضا نظر آتی تھی، کھانا اور ہر چیز برابر برابر کسی کی خصوصیت کا لحاظ کئے بغیر تقسیم ہوتی تھی، اور اس میں خود ان کی اور ان کے گھر کے افراد کی رعایت نہیں ہوتی تھی، اس فضا سے کوئی نووارد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

(۴) اس دعوت نے متعدد ایسے بے لوث، سرفروش و خود فراموش داعی پیدا کردیئے تھے، جنھوں نے "کلمۃ حق عند سلطان جائر" کا فریضہ بڑی شجاعت اور قوت کے ساتھ ادا کیا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سخت اذیتیں برداشت کیں، اور اس راہ میں ہنسی خوشی جان دی، انسان ان کے حالات پڑھ کر متاثر ہوئے اور سید محمد جونپوری کی تربیت اور صحبت کی تاثیر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر شیخ علا بن حسن البیانوی (شیخ علائی) (م ۹۵۷ھ) کے حالات ملاحظہ ہوں، جنھوں نے سلطان سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری کے دربار میں دعوت و تذکیر کا فرض انجام دیا، اور آداب شاہی اور کورنش کے بجائے سلام مسنون پر اکتفا کیا، اور دوسری مرتبہ سفر کی خستگی، اور طاعون کی بیماری کی حالت میں کوڑے کھائے، اور اس سے جانبر نہ ہونے پر ان کا جسم ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا، اور لشکر میں اس کو پھرایا گیا۔[1]

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ علا بن حسن البیانوی "نزہۃ الخواطر" جلد ۴، یا منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی (باقی ص ۵۹ پر)

(۵) ان کی دعوت کے پانچ ارکان تھے (۱) ترک دنیا (۲) عزلت عن الخلق (۳) ہجرت عن الوطن (۴) صحبت صدیقین (۵) دوام ذکر (حفظ انفاس کے طریقہ پر) وہ مشاہدہ الٰہی کو (خواہ وہ بچشم سر ہو یا بطریق قلب، بیداری میں ہو یا خواب میں) ضروری اور شرط ایمان قرار دیتے تھے۔

(۶) حالت سُکر میں، یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر ان سے اپنی ذات کے متعلق متعدد بار اور صریح طریقہ پر ایسے اقوال اور دعاوی صادر ہوئے،[1] جن کی تاویل و توجیہ مشکل ہے، اور جنھوں نے ان کے متبعین کو (ابتداء میں ان کی نیت کتنی ہی صحیح اور ان کا جذبۂ دینی کتنا ہی قابل قدر ہو) آسانی کے ساتھ ایک مخالف جمہور، اور مخالف اہل سنت فرقہ کی شکل دے دی، جس نے ان اقوال کا سہارا لیا، اور ان پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی، بعد کے آنے والوں اور غالی معتقدین نے (جیسا کہ قاعدہ ہے) ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کی تقدیس و تعظیم میں اتنا غلو سے کام لیا کہ ان کو انبیاء کا ہمسر اور بعض سے افضل و برتر بنادیا، اور بعض بعض انتہا پسندوں اور غالیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہمسری و مساوات کے عقیدہ تک پہونچا دیا (اگرچہ سید محمد ان کے نزدیک بھی آپ کے پیرو اور دین محمدی کے تابع تھے) اور بعض نے یہاں تک غلو کیا، کہ "اگر کتاب و سنت ان کے کسی قول و فعل کے مخالف ہوں تو کتاب و سنت کا اعتبار نہیں" اسی طرح سے اس بارے میں بھی بہت غلو کیا گیا کہ جو مسلمان انوار الٰہی کا مشاہدہ اپنی آنکھ یا دل سے سوتے یا جاگتے

(باقی ص ۵۸ کا) مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص ادبی انداز میں شیخ علائی کی شہادت کی دل دوز داستان مفصل و موثر طریقہ پر بیان کی ہے (ملاحظہ ہو "تذکرہ" ص ۵۳ تا ۶۱)

[1] اور ایسے اقوال بہت سے غالی صوفیوں، اور شدید ریاضت کرنے والے عابدوں سے منقول ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی نہ کرے وہ مومن نہیں ہے، عام مسلمانوں اور اس فرقے کے درمیان یہ خلیج مرور زمانہ سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ مہدوی ایک الگ فرقہ بن کر اہل سنت والجماعت سے کٹ گئے، اور وہ مقاصد فوت ہو گئے جن کے لئے یہ تحریک شروع ہوئی تھی، اور جو غالباً اس تحریک کے بانی کے پیش نظر تھے۔

دسویں صدی کے وسط تک اس جماعت کے اثرات ہندوستان اور افغانستان پر قائم رہے، اور دکن میں اس کے پیروؤں کی کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، دسویں صدی کے آخر میں مہدویوں کی طاقت اور تعداد میں جو اضافہ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسماعیل نظام شاہ بن برہان نظام شاہ ثانی کے زمانۂ حکومت (۹۹۶-۹۹۸ھ) میں جمال خاں مہدوی نے جو منصب داران صدہ میں سے تھا، احمد نگر میں مہمات شاہی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، اسماعیل نظام شاہ کو بھی (جو خورد سال تھا) اپنے مذہب میں لے آیا، تھوڑے زمانہ میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے طائفہ مہدویہ جمع ہو گیا، جمال خاں کے گرد و پیش دس ہزار کے قریب مہدوی جمع ہو گئے، اور اس نے احمد نگر کی سلطنت پر پورا تسلط حاصل کر لیا، جب برہان نظام شاہ جو باہر چلا گیا تھا، احمد نگر ۹۹۶ھ میں واپس ہوا تو اس نے مذہب مہدویہ کو جس کا رواج ہو گیا تھا، خارج کیا، اور سابق کی طرح مذہب اثنا عشری نے رواج پایا۔[1]

دسویں صدی کے اخیر میں مہدویت کی تحریک میں نمایاں ضعف پیدا ہوا، اس دعوت اور سید محمد جونپوری کے دعاوی اور زیادہ تر ان کے غالی معتقدین کے تشدد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں ایک انتشار اور اضطراب پیدا ہو رہا تھا، اس سے

[1] ملخص از تاریخ ہندوستان جلد چہارم از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔

اس عہد کے علماء راسخین جو کتاب و سنت پر گہری نظر اور علوم دینیہ میں رسوخ تام رکھتے تھے، پریشان اور فکرمند تھے، اور وہ اس کو ایک بڑی ضلالت اور فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنے لگے تھے، چنانچہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم حدیث و سنت علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۳ھ-۹۸۶ھ) مصنف "مجمع بحار الانوار" نے اس کی تردید اور انسداد کا بیڑا اٹھایا، اور یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا (جس کے اثر میں پورا گجرات آ گیا تھا) خاتمہ نہیں ہو جائے گا، وہ اس وقت تک پگڑی نہیں باندھیں گے، اکبر نے ۹۸۰ھ میں جب گجرات فتح کیا، اور علامہ محمد طاہر کی ملاقات ہوئی تو اپنے ہاتھ سے ان کے دستار باندھی، اور کہا کہ "دین کی وہ نصرت و حمایت اور اس نئے فرقہ کا استئصال (جس کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا) میرے ذمہ ہے" اس نے مرزا عزیز الدین کو (جو اس کا رضاعی بھائی تھا) گجرات کا حاکم مقرر کیا، اور اس نے اس کام میں ان کی مدد کی، اور اس کے زمانہ میں ان کا زور کم ہو گیا، لیکن جب مرزا عزیز اپنے اس منصب سے سبکدوش ہوا، اور اس کی جگہ پر عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات کی عملداری ملی تو مہدویوں کو پھر طاقت حاصل ہو گئی، اور وہ میدان میں آ گئے، پھر علامہ محمد طاہر نے پگڑی اتار دی اور دارالحکومت کا قصد کیا، لیکن ان کے پیچھے پیچھے مہدویوں کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی، اور اُجین پہونچتے پہونچتے ان کو شہید کر دیا۔[1]

بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب

• تاریخ و فلسفۂ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ذہنی بے چینی، ردعمل کی جارحانہ تحریکیں، اور انتشار خیال پیدا ہونے کے قوی اسباب و محرکات عام طور پر حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

[1] "نزہۃ الخواطر" جلد ۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) معاشرہ کے قول و عمل اور عقیدہ و زندگی میں عدم مطابقت اور تضاد، جو بےچین اور ذکی الحس طبیعتوں میں شدید بے اطمینانی پیدا کرتا ہے، اور وہ ایک خاص مرحلہ پر پہونچ کر باغیانہ دعوتوں اور تحریکوں میں پناہ لیتی ہیں، اور اگر وہ خود کوئی تحریک نہیں پیدا کر سکتی ہیں، تو تشکک و ارتیاب کا شکار ہو جاتی ہیں، عام طور پر یہ تحریکیں بہت جلد غلو اور انتہا پسندی اختیار کر لیتی ہیں، اور خود اس فاسد اور کمزور معاشرہ سے زیادہ دینی حیثیت سے گمراہ، سیاسی حیثیت سے خطرناک، اور معاشرہ کے لئے انتشار انگیز بن جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی میں مال و دولت کی فراوانی، عہدوں اور منصبوں کی طمع اور ان میں مسابقت کے جذبہ نے یہ تضاد پیدا کر دیا تھا، اور دنیا داروں اور دنیا پرستوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا، جو دینی اور اخلاقی تعلیمات و اصول کو بالائے طاق رکھ کر حصول جاہ و منصب، یا لذت و تمتُّع کے لئے ہر طرح کی بے عنوانی اور بے راہ روی اختیار کرنے لگا تھا، یہ طبقہ عام طور پر ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے، جب وسیع اور مستحکم سلطنتیں قائم ہو جاتی ہیں، اور امن و استقرار کا دور آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوری خاندان کی حکومت کے آخری دور اور مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد ہندوستانی معاشرہ میں یہی کیفیت نمایاں ہو گئی تھی، اور بہت سے خلاف اسلام اور خلاف شریعت اعمال و رسوم اور آئین جاری ہو گئے تھے[1]، سلطنت اموی اور سلطنت عباسی میں بھی یہ طبقہ نمایاں طور پر ظاہر ہوا تھا، اور اسی کو پہلی صدی ہجری کے آخر کے سب سے بڑے مصلح و داعی حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) "منافقین"

[1] تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سلیم شاہ (یا اسلام شاہ) کے زمانۂ حکومت میں ہر ولایت (یا سرکار) کے مستقر پر جمعہ کے دن تمام شاہی عہدیدار امراء جمع ہوتے تھے، اور ایک بلند شامیانہ میں کرسی پر سلطان سلیم شاہ کی جوتی رکھ کر اس کے روبرو سر جھکاتے تھے، اور مجموعۂ قوانین شاہی پڑھا جاتا تھا، (تاریخ ہند سید ہاشمی فرید آبادی جلد سوم صفحہ ۲۶)

کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(۲) سلاطین و حکام کا استبداد، ان کی مطلق العنانی، جبر و تعدی، احکام شریعت سے چشم پوشی اور کھلی ہوئی نفس پرستی، جو دینی حوصلہ مندوں کو انقلابی تحریک اور بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے۔

(۳) رسمیت اور ظاہر پرستی جب اپنی انتہا کو پہونچ جاتی ہے، معاشرہ اخلاقی و ذہنی انحطاط اور علمی حلقے سخت ترین جمود کا شکار ہو جاتے ہیں[1]، اور نظام تعلیم بے روح، حقیقت پسندی سے دور، اور ذہین طبیعتوں کو تسکین و تسلّی دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، تو لوگ ایسی تحریکوں میں اپنے ذہن کی تسکین کا سامان پاتے ہیں، (جو غلط یا صحیح طریقہ پر) اس محدود دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، کتاب و سنت کی تعلیم سے غفلت اور حدیث سے ناواقفیت بھی اس کا ایک اہم سبب اور قوی محرک ہے، جس سے ہر دور میں دین کا صحیح مزاج پیدا ہوتا ہے، اور جس سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے فہم و عمل میں اصل دین

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے اور مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:۔

"مسلمانوں کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی، افسانۂ شاہان اور تاریخ داؤدی میں جن قصوں کو عجائب روزگار بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ اخلاقی پستی اور اعتقاد کی زبوں حالی کے آئینہ دار ہیں، فقیروں کی عیاشانہ زندگی، طالب علموں کی بے راہ روی، تعویذ گنڈوں میں بے جا اعتقاد، جنوں اور دیووں کے قصے، چراغ سلیمان کی داستانیں، کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں اس طرح عام نہیں ہو سکتی تھیں، حقیقت میں مہدوی تحریک اسی ذہنی انحطاط اور مذہبی جمود کو دور کرانے کی ایک کوشش تھی۔"

("سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" صفحہ ۴۵۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسوۂ رسول اور طریقۂ صحابہ و تابعین سے کتنا بُعد اور انحراف پیدا ہوگیا۔

(۴) کسی ایسی دینی شخصیت کا فقدان جو ذہنی و باطنی دونوں حیثیتوں سے عام سطح سے بلند، طاقتور و دلآویز شخصیت اور مؤثر و طاقتور روحانیت کی مالک ہو، اور جو ذہن کی بے چینی، روح کی بیتابی کو دور، اور معاشرہ کے تنِ مردہ میں ایک نئی روح پھونک سکے، اور اسلام کی ابدیت، شریعت محمدی کی صداقت اور کمال و ترقی کے وسیع امکانات پر نیا یقین و اعتماد پیدا کر سکے۔

دسویں صدی کی تاریخ کے مطالعہ سے، (تراجم و تذکرے کی کتابوں، اور حوادث و واقعات کی روئیدادوں کی مدد سے) معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ہندوستان میں اس بے چینی اور انتشارِ خیال کے یہ قدرتی اسباب پچھلی صدیوں کے مقابلہ میں بڑھ گئے تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ذہنی بے چینی، اور انتشار انگیز تحریکیں اس صدی میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

دسویں صدی کا فتنۂ کبریٰ

"الف ثانی" سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ

الف ثانی کا مغالطہ

دسویں صدی ہجری اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے اختتام پر اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل اور دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کا آغاز ہوتا ہے، عام حالات میں یہ تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، دنیا کی طویل عمر اور حیات انسانی کی وسیع تقویم میں جس طرح ہر صدی پر ایک ورق الٹتا ہے، ایک ہزار سال پر بھی گیارہویں صدی کا نیا ورق الٹنے والا تھا، لیکن جب ذہنوں میں شدید قسم کا انتشار، عقائد میں عظیم تزلزل، دین کی صحیح تعلیم اور کتاب و سنت کے علم سے نہ صرف غفلت و جہالت بلکہ وحشت و نفرت ہو، اہلِ یونان کے علوم کو عقل انسانی کی آخری منزل قرار دیا جائے، اور انھیں کا نام "حکمت" "علوم دانشمندی" اور انسانی علوم و کمالات کے وسیع آفاق میں "الافق المبین"[1] قرار دیا جائے، بات کا بتنگڑ بنا لینا، اور رائی کا پربت کھڑا کر لینا، نظام تعلیم، نصابِ درس اور علمی حلقوں کا کمال سمجھا جائے، علوم نبوت، صحف آسمانی، وحی و تنزیل اور نصوص قرآنی کی تضحیک و تحقیر کی جائے، اور ان پر ایمان لانے کو

[1] ملا باقر داماد کی کتاب "الافق المبین" کی تلمیح۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہل، کورانہ تقلید، اور عقل دشمنی کا مرادف قرار دیا جائے، پھر اس کے ساتھ اس وقت کی حکومتوں اور سیاسی نظاموں سے (جو غلط اور صحیح طریقہ پر مذہب کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو اپنے اقتدار کا پشت پناہ سمجھتے تھے) بیزاری بھی بغاوت و اشتعال کی حد تک پہونچ گئی ہو، پھر سونے پر سہاگہ جب ایسے حوصلہ مند اور طالع آزما افراد پیدا ہو جائیں، جو ذہانت اور اس وقت کے علم و حکمت سے مسلح بھی ہوں، اور وہ نئے دور کا بانی و رہنما، اور احترام و اقتدار کا مالک ہونے کے سہانے خواب بھی دیکھنے لگیں، اور ان کے دل و دماغ میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگے کہ ماہ و سال کی گردش سے وہ بھی وہی فائدہ اٹھائیں جو پچھلے پیشوایانِ مذاہب نے (ان کے بقول) اٹھایا، اور ان کی تحریک و دعوت سے قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک نئی تقویم کا آغاز ہوا، جس کی ان کے خیال میں سب سے کامیاب اور مکمل شکل اس عہد کا آغاز تھا، جو بعثت محمدی اور ظہور اسلام سے عرب میں شروع ہوتا ہے اور ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے، ان کے نزدیک اس دین کی تاریخ اور دنیا کی تقویم میں الف اول کا ختم ہونا اور الف ثانی کا شروع ہونا ایک اہم حادثہ اور ایسا زریں موقعہ ہے، جو جلد جلد اور بار بار ہاتھ نہیں آتا، اور اگر اس کو گنوا دیا جائے گا تو پھر ایک ہزار سال کا انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے اس موقعہ کو کسی طرح سے جانے نہیں دینا چاہیئے، ورنہ صدیوں کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں ہمیں عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں اور خاص طور پر اس کے سب سے بے چین طباع، اور تخلیقی و اختراعی صلاحیت رکھنے والے خطہ ایران میں (جس کو بہت سی مماثلتوں کی بنا پر مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا) اس خیال کے عکس نظر آتے ہیں، ظہور اسلام کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے، اور دوسرا ہزار شروع ہونے کو جا رہا تھا، ہر صدی کے سرے پر مجدد کا ظاہر ہونا، حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اور

تاریخ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے، اس لئے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجدد سے زیادہ دینِ جدید کے موسس اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے، اور ان میں بہت سے منچلے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی، افسوس ہے کہ اس دور کی کوئی ذہنی و فکری تاریخ مرتب نہیں کی گئی جس میں اس عہد کے قلب و دماغ، جذبات و خیالات، تمناؤں اور آرزوؤں کی پرچھائیاں نظر آئیں، پہلے اور پچھلے دوروں کی طرح سب تاریخیں "سرکار دربار" کے گرد گھومتی ہیں، اور ان میں زیادہ تر انقلابات سلطنت، فتح و ہزیمت، بادشاہوں کی داد و دہش، اہلکاران سلطنت کے عزل و نصب، اور امراء کے عیش و عشرت کی داستانیں، اور رزم و بزم کے افسانے ملتے ہیں اگر دسویں صدی کے عالم اسلام کی کوئی فکری تاریخ ہوتی تو ہمیں صاف نظر آتا کہ الف ثانی کے قرب نے کتنے دلوں میں تمنائے خام کے چراغ روشن کر دیئے تھے، اور انھوں نے ایک نئی مسندِ پیشوائی اور ایک نئی سیادت و قیادت کا خیمہ نصب کرنے کے لئے چوب اور طنابیں مہیا کرنی شروع کر دی تھیں۔

صفوی حکومت کے قیام کے بعد جس نے شیعیت کو حکومت کی طاقت اور اقبال سے سارے ایران کا مذہب بنا دیا تھا، اور اگرچہ اس سلطنت کے بانیوں کے مورث اعلیٰ شیخ صفی الدین مسلکاً و ذوقاً صوفی تھے لیکن شیعیت کو چونکہ تصوف سے بیر ہے، اس کے دور اقتدار میں اس ایران میں جس نے امام غزالی طوسی، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری، مولانا جلال الدین رومی[1]، اور مولانا عبدالرحمن جامی جیسے عارف و محقق پیدا کئے تھے، اور جس سے بغداد و دہلی و اجمیر کو پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجۂ بزرگ شیخ معین الدین چشتی، اور شہید عشق خواجہ قطب الدین بختیار کعکی اوشی میسر آئے تھے، تصوف کا چراغ بالکل گُل ہو گیا، دوسری طرف کتاب و سنت کا

[1] آپ اصلاً بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے، حال واقع ملک افغانستان۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ علم اور فنِ حدیث جس کا ایران بڑا مرکز رہ چکا تھا، اور جس نے تاریخ اسلام کو مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری، ابو عیسیٰ ترمذی، ابو داؤد سجستانی، ابن ماجہ قزوینی اور حافظ ابو عبد الرحمٰن نسائی جیسے امام حدیث اور مصنفین صحاح عطا کیے، وہ اب کتاب و سنت اور علم حدیث سے بالکل بیگانہ اور تہی دامن تھا، اب اس کے علم کا تمام تر سرمایہ اور اس کے امتیاز و تفوق کا میدان یونانی علوم و حکمت (فلسفہ و منطق) تھے، اس انقلاب نے جس نے نبی عربی ﷺ کے صحابۂ کرام، اور ان کی سنت و احادیث سے اس مردم خیز اسلامی ملک کا رشتہ پہلے ہی کاٹ دیا تھا، ملک کے ذہین اور طباع طبقہ کا رابطہ نبوت محمدی، عقیدۂ ختم نبوت اور دین اسلام کے خلود و بقاء کے عقیدہ سے اگر منقطع نہیں کیا تو کمزور ضرور کر دیا، اور اگر اہل بیت کرام سے (تشیعیت کی بنیاد پر) عقیدت و نسبت نہ ہوتی تو اس ملک کا مجوسیت، ما قبل اسلام کی تہذیب، اور شاہنامۂ فردوسی کے رستم و اسفندیار کے دور کی طرف واپس چلے جانے کا خطرہ تھا۔

ایسی حالت میں نویں اور دسویں صدی کے ایران میں انتشار انگیز تحریکوں، اور اسلام کے خلاف عقلی و فلسفی سازشوں کا پیدا ہونا خلاف قیاس اور خلاف توقع نہیں، جس کی سب سے ترقی یافتہ مثال نویں صدی کے اخیر اور دسویں صدی کے ابتدا کی نقطوی تحریک ہے، جو ایران کی اس بے چین روح کا بہترین مظہر ہے، جس نے کبھی مزدک کی شکل میں، کبھی مانی کے روپ میں، اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا تھا، اور جو خالص ایک ملحدانہ تحریک ہے، بقول اسکندر منشی کے:-

آن طائفہ بمذہب حکماء عالم را قدیم	یہ فرقہ حکماء کے مذہب کے مطابق
شمردہ اند، و اصلاً اعتقاد بحشر اجساد و	عالم کو قدیم مانتا ہے، اجسام انسانی
قیامت ندارند، و مکافات حسن و قبح	کے دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر کا

اعمال را در عافیت و مذلت دنیا	مطلق عقیدہ نہیں رکھتا، اعمال کے
قرار دادہ، بہشت و دوزخ ہمانرا می	حسن و قبح کی جزا و سزا کو دنیا کی
شمارند۔[1]	راحت و ذلت کی شکل میں قرار دے کر
	اسی کو بہشت و دوزخ سمجھتا ہے۔

شاہ نواز خاں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

علم نقطۂ الحاد و زندقہ و اباحت و	علم نقطۂ الحاد و زندقہ اباحت (سب
توسیع مشرب است مثل حکماء بقدم	کچھ جائز ہے) اور وسیع المشربی
عالم گردند، و انکار حشر و قیامت	(سب صحیح ہے) کا نام ہے، حکماء
نمایند، و مکافات حسن و قبح اعمال،	قدیم کی طرح وہ قدم عالم کے قائل
و جنت و نار در عافیت و مذلت	اور حشر و قیامت کے منکر ہیں، اعمال
دنیا قرار دہند۔[2]	کے حسن و قبح کا انعام و سزا، اور
	جنت و دوزخ اسی دنیا کی خوشحالی
	اور تنگ حالی کو سمجھتے ہیں۔

وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہونچ جاتے ہیں[3] نباتات کے اگنے میں قدرت خداوندی کا کوئی دخل نہیں، وہ محض کواکب و عناصر کی ترکیب کا عمل ہے[4]، قرآن پاک کو نبی کریم کی تصنیف

[1] تاریخ عالم آرائے عباسی جلد ۲ ص ۳۲۵ [2] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۶۱۹

[3] دبستان مذاہب ص ۳۰۰

[4] مبلغ الرجال ورق ۲۵ الف نسخہ قلمی موجود مولانا آزاد کلیکشن، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھتے ہیں، اور مسائل شریعت کو اہل الرائے کا طبع زاد ، اس فرقہ کے پیرو نماز، حج، اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں[1]، ماہ رمضان کا نام انھوں نے "ماہ گرسنگی و تشنگی" رکھا ہے، طہارت وغسل کے مسائل کی بھی تضحیک کرتے ہیں[2]، اور محرمات ابدیہ کی حرمت کے بھی قائل نہیں، وہ نقلیات کے منکر اور عقلیات کے داعی ہیں[3]۔

اس فرقہ کا بانی محمود پسیخوانی[4] کو بتایا جاتا ہے، اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان و ایران کے ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا، اور ایران میں اس کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی، نقطویوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اول ظہور سے محمود پسیخوانی تک آٹھ ہزار (۸۰۰۰) سال کی مدت ہوتی ہے، یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا، کیونکہ اس مدت میں پیغمبر صرف عربوں ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

---

[1] ایضاً [2] ایضاً

[3] ایضاً، اس مضمون میں پروفیسر محمد اسلم کی کتاب "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" نیز ڈاکٹر نذیر احمد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی کتاب "تاریخی وادبی مطالعے" سے استفادہ کیا گیا ہے، مزید تفصیل اور مستند معلومات کے لئے ملاحظہ ہو "نقطویان یا پسیخوانیاں" از دکتر صادق کیا، [4] محمود پسیخوانی یا پسیخانی گیلانی نے استرآباد میں ۸۰۰ھ میں اس نئے مذہب کا اعلان کیا، ۸۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی، اس فرقہ کی بنیاد ایران میں نویں صدی ہجری کی بالکل ابتدا میں ہوئی، رفتہ رفتہ اس نے بڑا زور پکڑا، یہاں تک کہ دسویں صدی اور گیارہویں صدی میں ایران اور ہندوستان میں اس فرقہ کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی تھی، اس فرقہ کو ملاحدہ تناسخیہ اور اہل زندقہ کے نام سے ایرانی مورخین اور مسلمان مصنفین نے یاد کیا ہے، اور چونکہ محمود کے نزدیک ہر چیز کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے، اور وہ خاک کو نقطہ کہتا ہے، یا اس لئے کہ اس نے مطالب قرآن کو اپنے خیال کو بیان کرنے میں حرفوں اور نقطوں کی تعداد سے مدد لی ہے، اس فرقہ کو نقطوی یا اہل نقطہ کہتے ہیں، (ماخوذ باختصار از مضمون "فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر" مشمولہ "تاریخی وادبی مطالعے" از ڈاکٹر نذیر احمد)۔

محمود پسیخوانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہوگئی ہے[1]، لہذا آئندہ آٹھ ہزار (۸۰۰۰) سال تک پیغمبر عجمیوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے[2]۔

نقطویوں کے عقائد کے سلسلہ میں جن کا کسی قدر یہاں بیان ہوا، ان کا یہ نظریہ بنیادی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے (اور ہماری اس بحث اور مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامہ کا اس سے خاص تعلق ہے) کہ "مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے، اس لئے محمود کا لایا ہوا دین قبول کئے بغیر چارہ نہیں" "دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نئے دین کی ضرورت ہے[3]"

دسویں صدی میں اس عقیدہ کا ظہور و اعلان صاف اشارہ کرتا ہے، کہ وہ اس عقیدہ الفی کے قائل ہیں، اور الف ثانی سے اپنا کام زور شور سے شروع کرنے والے ہیں، شاہ عباس صفوی نے ایران میں نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بادشاہ اس معاملہ میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ سخت واقع ہوا تھا، بادشاہ کی نظر میں اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا گروہ نہ تھا، چنانچہ ۱۰۰۲ھ میں اس نے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کا قتل عام کیا، اس قتل و غارتگری کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نقطوی جان بچا کر ہندوستان بھاگ آئے، اس میں مولانا حیاتی کاشی بھی تھے، جو دو سال تک قید میں رہنے کے بعد شیراز آئے اور ۹۸۶ھ میں وطن میں کچھ دن قیام کر کے بالآخر ہندوستان چلے آئے، ۹۹۳ھ میں وہ احمد نگر میں موجود تھے، شریف آملی جو بڑا باکمال عالم تھا، اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنے زمانہ کی سخت گیریوں سے تنگ آکر ہندوستان چلا آیا تھا، اکبر بادشاہ اس کے ساتھ

---

[1] محمود یا اس کے کسی پیرو کا شعر ہے ؎

گذشت آنکہ کہ عرب طعنہ برعجم میزد ... رسید نوبت رندان عاقبت محمود

[2] دبستان مذاہب ص۳۰۱ [3] ایضاً ص۳۰۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیر جیسا سلوک کرتا تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود بسیخوانی کی تحریروں سے ثبوت پیش کر کے اکبر کو دین نو کے اختراع کی ترغیب دی، اس نے محمود کی پیشگوئی بیان کی کہ ۹۹۰ھ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔

بدایونی اور خواجہ کلاں[1] دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ شریف آملی نے ایران سے بھاگ کر بلخ میں مولانا محمد زاہد نبیرۂ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی، اور صوفیوں کی طرح رہنے لگا، اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی، اس لئے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنا لیا، جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا، اور وہ دکن چلا گیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا، اس لئے لوگوں نے شریف آملی کو شیعی عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا، جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپئے آزار ہوئے، بدایونی کے الفاظ میں:۔

حکام دکن می خواستند کہ لوح ہستی	دکن کے حکام اس کا نقش حیات ہی
او را از نقش حیات پاک سازند،	مٹا دینا چاہتے تھے لیکن بعد ازاں
عاقبت برسوائی خر قرار یافتہ برسوائی	انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے گدھے پر
تشہیرش نمودند[2]۔	بٹھا کر اس کی تشہیر کی جائے۔

اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا[3]، بنگالہ میں اس کو دین الٰہی کا داعی مقرر کیا، اور وہ اکبر کے چار مخلص یاروں میں شامل تھا، دین الٰہی کے

[1] خواجہ عبید اللہ فرزند خواجہ باقی باللہ مصنف مبلغ الرجال۔ [2] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۴۶

[3] مبلغ الرجال ورق ۳۲ ب

مریدوں اور معتقدوں کے سامنے اکبر کی وہ نیابت بھی کرتا تھا[1]" مآثر الامراء" میں ہے "تصوف وحقائق بسیار ورزیدہ والحاد وزندقہ را بداں خلط دادہ، دعوائے "ہمہ اوست" می کرد و ہمہ را اللہ می گفت[2]"۔ ابو الفضل علامی کے متعلق بعض معاصر تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ نقطوی تحریک سے متاثر تھا، شاہ عباس صفوی نے نصر آباد کاشان میں ممتاز ترین نقطوی داعی اور ذمہ دار میر سید احمد کاشی کو جب قتل کیا تو اس کے کاغذات کے ذخیرہ میں جن نقطویوں کے خطوط ملے، ان میں ابو الفضل کا بھی ایک خط تھا، معاصر تاریخ نویس اسکندر منشی تاریخ عالم آرائے عباسی میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ ابو الفضل پسر شیخ مبارک بھی جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دربار اکبری میں بہت زیادہ تقرب حاصل کر چکا ہے، اسی مذہب کا پیرو ہے، اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بنا کر جادۂ شریعت سے منحرف کر دیا ہے، اس کا خط جو میر احمد کاشی کے نام لکھا گیا تھا، اور جو میر مذکور کے کاغذات میں دستیاب ہوا ابو الفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے[3]"۔

خواجہ کلاں اپنی کتاب "مبلغ الرجال" میں محمود بسیخوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخ ابو الفضل ناگوری بساط آں آئین خسارت قرین را در مملکت ہندوستان گسترد[4]"

ان تاریخی شہادتوں کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان آ کر الف ثانی کے لئے نئے دور، نئے دین اور نئے آئین کے لئے کس طرح ایک تخت اور مسند تیار کر رکھی تھی، جس پر مسند آرا ہونے کے لئے ایک با اختیار و طاقتور موزوں شخصیت درکار تھی، اور اس کے لئے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا۔

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۴۵-۲۴۸ [2] مآثر الامراء جلد ۳ ص ۲۸۵ [3] مستفاد از مضمون "فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر" مندرجہ کتاب "تاریخی و ادبی مطالعے" از ڈاکٹر نذیر احمد ص ۲۶۱ [4] مبلغ الرجال ورق ۳۱ نیز ملاحظہ ہو ورق ۳۲-۳۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی

عہد اکبری اور ہندوستان کے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اکبر کی تخت نشینی اور ابتدائی عہدِ حکومت نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے شروع ہوا، بلکہ خوش عقیدگی اور مذہبی غلو اور تقشّف کے ساتھ اس کا آغاز ہوا، اس کے ثبوت کے لئے "دربار اکبری" کے مشہور مصنف و عالم اور عہد اکبری کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب "منتخب التواریخ" سے منتخب کر کے عہد اکبری کے اس دور کے چند متفرق واقعات اور بادشاہ کے حالات نقل کئے جاتے ہیں، جب وہ اپنے اسلاف کی طرح ایک سیدھا سادہ خوش اعتقاد مسلمان تھا، اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم نہ ہونے، ماحول کے اثر اور اپنے عہد کے رواج کے مطابق (جس میں مشائخ و مزارات کے بارے میں غلو، حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی اور بدعات عام تھیں) بزرگوں کے مزارات کے لئے طول طویل سفر (شدّ رحال) کرتا تھا، بدعقیدگی اور خلاف جمہور عقائد کے الزام پر سخت سزا دیتا تھا، اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر گزرانتا تھا، خود ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتا، علماء اور صلحاء کی صحبت میں وقت گزارتا،

اور مجلس سماع میں شرکت کرتا تھا۔

اکبر کی دینداری اور مذہبی غلو کی شہادت میں ملا عبدالقادر بدایونی کے بیانات نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، اور اس سے اکبر کی تعریف نکلتی ہے، اور اس بارہ میں ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ و تصنیف میں کسی مخالفانہ جذبہ کے کام کرنے یا عناد کا کوئی سوال نہیں، البتہ اکبر کی زندگی کے دوسرے دور (دین الٰہی کے نظریہ کی اشاعت وحدت ادیان کے عقیدہ، اسلام سے بُعد و وحشت، مذاہب غیر کے بارہ میں حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ) کی شرح و تفصیل میں ہم ملا عبدالقادر کے بیانات نقل کرنے میں (جن کی صحت و استناد، اور ان کی تاریخی غیر جانبداری کے سلسلہ میں ان اخیر برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بڑا شک و اشتباہ پیدا کر دیا گیا ہے)[1]

---

[1] اکبر کے دور ثانی کے بارے میں ملا عبدالقادر بدایونی کے بیانات اور شہادتوں کو ان کے دینی تعصب اور اکبر سے ذاتی عناد و مخالفت پر محمول کرنے اور ان کی کتاب "منتخب التواریخ" کو مجروح و ساقط الاعتبار کرنے کی پچھلے برسوں سے جو مہم شروع ہوئی ہے اس کی کوئی ثبت علمی بنیاد اور تاریخی ثبوت نہیں، اس الزام کی بنیاد بھی محض جذباتیت اکبر کی عظمت اور اس کو ہر طرح کے الزامات سے بری کرنے کے جذبہ (جو خاص تعلیم و تربیت اور ماحول و زمانہ کا نتیجہ اور ایک مقصد کے ماتحت تاریخ نویسی کا اثر ہے) سوءِ ظن اور منفی رویہ پر ہے، جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر "منتخب التواریخ" کا مطالعہ کرے گا، وہ مصنف کے خلوص و صداقت، دردمندی اور جرأت مندانہ حق گوئی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کتب تاریخ کا وسیع مطالعہ کرنے والے کو تاریخ و افسانہ میں امتیاز کرنے اور مصنف اور اس کی کتاب کے پایہ کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ خود صرّاف کی طرح کھرے کھوٹے کا فرق سمجھنے لگتا ہے۔

الیٹ "منتخب التواریخ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں، جو بدایونی کی طرح

(باقی ص ۷۲ پر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

...احتیاط برتیں گے، اور تنہا ان کے بیانات پر انحصار نہیں کریں گے، بلکہ ان کو اکبر کے مخلص وفادار ارکان سلطنت، مؤرخین دربار اور اس عہد کے غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات اور شہادتوں کی محض تائید میں پیش کریں گے۔

"منتخب التواریخ" کے حسب ذیل بیانات ملاحظہ ہوں:۔

"شہزادہ سلیم کی ولادت کے شکرانہ میں بادشاہ نے اجمیر کا پیادہ پا سفر کیا، واپسی میں دہلی میں پڑاؤ ڈالا، اور اولیائے دہلی کے مزارات کی زیارت کی"[1]

"اجودھن جاکر حضرت شیخ المشائخ فریدالدین گنج شکر کی زیارت کی، مرزا مقیم اصفہانی کو میر یعقوب کشمیری کے ساتھ رفض کے الزام میں سزا ملی"[2]

"اوائل شعبان میں بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا، سات کوس سے پیادہ پا مزار پر حاضر ہوا، نقارہ نذر گزرانا، اہل اللہ علماء اور صلحاء کے ساتھ صحبت اور مجلس سماع گرم رہی"[3]

"عبادت خانہ میں "یاہو" اور "یاہادی" کے ذکر میں انہماک رہتا تھا، (۹۸۰ھ میں... عبادت خانہ کی تین عمارتوں کی تعمیر کا تفصیلی ذکر)[4]

"عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات ومشائخ، علماء وامراء کی طلبی ہوتی، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

اسی زمانہ میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جائے"[5]

(باقی ص۷۵ کا) اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں، یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس صفائی اور بے پروائی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں" (الیٹ جلد ۵ ص۴۷۸)

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص۱۲۳ [2] ایضاً ص۱۲۴ [3] ایضاً ص۱۸۵ [4] ایضاً ص۲۰۰-۲۰۱ [5] ایضاً ص۲۱۱

۹۸۶ھ کے واقعات میں فتح پور سیکری میں عبادت خانہ میں علماء ومشائخ کی صحبت شب جمعہ کی شب بیداری کا ذکر آتا ہے۔

"جب خان زماں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے بادشاہ دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرض دعا حاضر ہوا"[1]

ماہم آنکہ کے تعمیر کردہ مدرسہ خیر المنازل کے پاس سے گزرتے ہوئے، فولاد نامی ایک شخص نے (شرف الدین حسین کے ایماء سے) بادشاہ پر ایک تیر چلایا، بادشاہ کو معمولی سا زخم آیا، جو چند روز کی مرہم پٹی سے درست ہوگیا، اس ناگہانی حملہ سے بچ نکلنے کو بقول بدایونی "از تنبیہات غیبی وکرامات پیران حضرت دہلی دانستہ" اولیاء دہلی کی کرامت سمجھا"[2]

"ایک بار اجمیر جاتے ہوئے اس عہد کے مشہور بزرگ شیخ نظام نارنولی کی (جن کے زہد واتقا کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی) خدمت میں حاضر ہوا"[3]

"۹۸۰ھ میں اجمیر میں سید حسین خنگ سوار کے مزار پر اور اس کے چند سال بعد ہانسی میں حضرت قطب جمال کے مزار پر بڑی عقیدت ونیاز کے ساتھ حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی"[4]

"شیخ سلیم چشتی کے ساتھ عقیدت خاص تھی، ان کا روضہ بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا، اور اس عقیدت ومحبت کی بناء پر ولی عہد سلطنت (جہانگیر) کا جو کہا جاتا ہے کہ ان کی دعا سے پیدا ہوا سلیم نام رکھا، بادشاہ نے سلیم کی ولادت سے قبل رانی جودھا بائی کو شیخ کے گھر بھیج دیا تھا، تاکہ ان کی توجہ اور دعا رانی کے شامل حال رہے"[5]

"اسی طرح شہزادہ مراد کی ولادت بھی شیخ ہی کے گھر میں ہوئی تھی"[6]

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص۲۵۲ [2] ایضاً ص۲۶۲ [3] ایضاً ص۲۵۲
[4] ایضاً ص۲۳۲ [5] ایضاً ص۱۰۸ [6] ایضاً ص۱۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"شہزادہ سلیم جب مکتب نشینی کے قابل ہوا تو اس کی رسم تسمیہ خوانی کے لئے اپنے عہد کے مشہور محدث مولانا میر کلاں ہروی کو زحمت دی اور انھوں نے بادشاہ اور عمائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادہ کی بسم اللہ کرائی"[1]

"جب شہزادہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا تو اسے حکم دیا کہ شیخ عبد النبی کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے، اور اس نے مولانا جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی"[2] اکبر کو شیخ عبد النبی (نبیرہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی و صدر جہاں عہد اکبری) سے اتنی عقیدت تھی کہ اکثر وہ ان کے گھر جا کر ان کے درس میں شرکت کرتا، ایک دو مرتبہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کیں"[3]

"اکبر نے ان کے لئے کارخانہ شاہی میں خصوصی دوشالہ تیار کروایا، اور ملا عبد القادر کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا، اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لئے شاہی کارخانہ میں تیار ہوا ہے"[4]

"اس عہد کے مشہور شطاری شیخ شیخ محمد غوث گوالیاری کے گزارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کردی، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ بھی نیازمندانہ طریقہ پر پیش آتا"[5]

بزرگوں سے یہ عقیدت مندی اکبر کو موروثی طریقہ پر ملی تھی، اس کے تیموری آباء واجداد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، بابر کا دادا سلطان ابو سعید پاپیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی، خود بابر بھی اپنی تزک میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے، اکبر کے خاندان کی خواتین وبیگمات کے رشتے نقشبندیہ خاندان کے بزرگوں سے ہوئے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ یحییٰ ہندوستان

[1] ایضاً ص۱۷۰ [2] ایضاً ص۲۰۴ [3] ایضاً ص۲۰۴ [4] ایضاً ص۲۳۷ [5] ایضاً ص۲۰۳

تشریف لائے تو اکبر نے ان کا بڑا اعزاز کیا، ان کے مصارف کے لئے ایک جاگیر عطا کی اور انھیں امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا، واپسی پر انھیں مستقل طور پر آگرہ میں ٹھہرالیا"[1]

"اکبر نے ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے، جو باری باری مقررہ دن میں نماز کی امامت کرتے تھے، بدھ کے روز کی امامت ملا عبد القادر بدایونی سے متعلق تھی"[2]

"ہر سال ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ سے حج کے لئے بھیجتا تھا، امیر حاج کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد و جنس بھیجتا تھا"[3] قافلہ کی روانگی کے دن حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال تھوڑے سے ترشوا کر تکبیر کہتا ہوا ننگے سر، برہنہ پا دو زنک انھیں رخصت کرنے جاتا، اس منظر سے ایک شور برپا ہوتا، اور لوگوں پر رقت طاری ہوتی"[4]

جب ہندوستان میں شاہ ابو تراب حجاز سے قدم رسول لے کر تشریف لائے اور وہ آگرہ کے قریب پہونچے تو بادشاہ امراء، علماء کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شہر سے چار کوس باہر نکل کر استقبال کے لئے گیا۔

آخر میں اس کی دینداری کی شہادتوں کو ہم عہد سلطنت مغلیہ کے مشہور مورخ میر عبد الرزاق خافی خاں معروف بہ صمصام الدولہ شاہنواز خاں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۷۱ھ) کی مشہور کتاب "مآثر الامراء" کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

اکبر بادشاہ بترغیب شیخ در اجراء احکام	اکبر بادشاہ شیخ کی ترغیب سے احکام شرعیہ
شرعی وامر معروف و نہی منکر فراواں	کے اجراء امر معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں بڑی
جہدمی فرمود و خود اذان می گفت	کوشش کرتا تھا، خود اذان کہتا اور امامت
و امامت می کرد حتی بقصد ثواب	کرتا، حتی کہ ثواب کی نیت سے مسجد

[1] ایضاً ج ۳ ص۱۰۰ [2] ایضاً ج ۲ ص۲۲۰ [3] ایضاً ص۲۵۱ [4] ایضاً ص۲۳۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بمسجد جاروب می زد۔[1] میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔

اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دورِ ثانی[2]

اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف کی اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، پڑھنے والے ان سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی سطحی اور عامیانہ قسم کی مذہبیت تھی جس کی بنیاد دین کے صحیح فہم، کتاب و سنت سے واقفیت اور براہ راست علم و مطالعہ پر نہیں تھی اور وہ بجائے علمائے راسخین کی تعلیم اور صحیح دینی صحبت و تربیت کی رہینِ منت ہونے کے محض مذاق زمانہ، مزاج سپاہیانہ اور وسط ایشیاء کے دین سے ناواقف امراء و اہل حکومت کی تقلید و نقالی اور خوش عقیدگی بلکہ ضعیف الاعتقادی پر مبنی تھی، اس دینداری کا رکن اعظم مزارات پر حاضری دینا، کوسوں پیادہ پا چل کر وہاں آنا، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ (جو اکثر بے علم، اسلاف کے کمالات سے عاری اور صحیح روحانیت سے خالی ہوتے تھے) اپنی نیازمندی اور فدویت کا اظہار، خانقاہوں کی جاروب کشی، مجالس ذکر و سماع میں شرکت اور "درباری سرکاری" علماء و مشائخ کی

[1] آثر الامراء ج ۲ ص ۵۶۱

[2] بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر نے چھوٹی توزک میں اکبر کے انتقال کا جو حال لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی غلط روی کا احساس ہو گیا تھا، اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اس حالت میں جان دی کہ سورۂ یٰسین اور دعا پڑھی جارہی تھی، ہم کو اس باب میں اس سے بحث نہیں کہ خدا کا معاملہ اس کے ساتھ کیا رہا، اور وہ دنیا سے کس حال میں رخصت ہوا، ہمیں اس کے ان اقدامات اور کاروائیوں سے بحث ہے جو اس نے نئے دین و آئین کے جاری کرنے میں کیں اور ان اثرات سے جو ان کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں پر مرتب ہوئے۔

توقیر و تعظیم تھی، اکبر کے حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ ناخواندۂ محض تھا،[1] تیموری خاندان کے مزاجوں میں عام طور پر غلو، انتہا پسندی، اور حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی داخل ہے، ہمایوں کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ وہ محنت کرنے، میدان جنگ کی سختیاں اٹھانے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے پر آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گوشت پوست کا نہیں لوہے کا بنا ہوا ہے، اور انسان نہیں، جن ہے، لیکن جب آرام کرنے پر آتا تو سب بھول جاتا، اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ میدان جنگ کا ایک جانباز سپاہی ہے، جہانگیر میں بھی یہ تضاد اور بے اعتدالی نظر آئے گی۔

پھر یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جن ناہموار اور غیر معمولی حالات میں اس کا بچپن اور عنفوان شباب گزرا تھا، چچاؤں کی جس بے مروتی، بے مہری، اور خون کے سفید ہو جانے کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، اور جو کڑوے بلکہ زہر آلود گھونٹ اس نے باپ کی شکست اور سفر ایران کے زمانہ میں پئے تھے، پھر بیرم خاں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا، اس سب نے اس کی طبیعت میں انسانی فطرت کی طرف سے بدگمانی، بڑے سے بڑے اور اچھے سے اچھے آدمی کے خلوص و وفاداری کے بارہ میں شک اور مزاج میں ایک طرح کا تلون پیدا کر دیا تھا۔

[1] اکبر جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو رواج زمانہ کے مطابق اس کی مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی اور ملازادہ عصام الدین ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے، لیکن ملا کو اندازہ ہوا کہ اکبر کو تعلیم کی طرف رغبت نہیں، اسے معلم کی ناکامی اور بے توجہی پر محمول کیا گیا، اور ملازادہ کی جگہ مولانا بایزید کا تقرر ہوا، مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا، آخر بادشاہ نے مولانا عبد القادر بدایونی کو منتخب کیا، مگر بلند اقبال شہزادہ کی طبیعت تعلیم پر مائل نہ ہوئی، سیاسی حالات اور ان کے نتیجہ میں سرگردانی و نقل مکانی نے اس کو اور ہوا دی اور اکبر تعلیمی لحاظ سے بے سواد اور ناخواندہ رہ گیا۔
(ملخص از تواریخ عہد اکبری)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذاہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس مناظرہ، اور ان کا اثر

اِس صورت حال کی اصلاح، اس کی ان کمزوریوں پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کو اسلام سے وابستہ اور دین سے منسلک رکھنے بلکہ بہت سے سلاطین اسلام کی طرح (جن میں سے بعض اس کے خاندان میں بھی پیدا ہوئے) دین کا حامی و ناصر بنائے رکھنے کے لئے موزوں صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اکبر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہے (اور یہ ایسی کمزوری تھی، جو بابر سے لے کر سلطنت مغلیہ میں بہادر شاہ تک کسی میں پائی نہیں گئی) مہمات سلطنت اور توسیع مملکت پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا، جس کی اس کے اندر خداداد صلاحیت اور غیر معمولی لیاقت تھی، وہ مذہبی امور میں دخل نہ دیتا، ایک سیدھے سادھے مسلمان اور سپاہی کی طرح مذہبی امور کو علماء اور ذی علم ارکان سلطنت کے حوالہ کرتا، جیسا کہ بابر اور ہمایوں نے (تعلیم یافتہ ہونے اور علمی ادبی ذوق رکھنے کے باوجود) کیا تھا، اور خاص طور پر نازک اعتقادی و کلامی مسائل، مذاہب کے تقابل، اور ماوراء الطبیعاتی (غیبی) حقائق کی تحقیق کے میدان میں قدم نہ رکھتا، جہاں ذرا سی غلطی یا بے احتیاطی سے آدمی کفر و الحاد کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے، اور دین و ایمان کا سرمایہ کھو بیٹھتا ہے، اور جس کے مبادی و مقدمات سے بھی اکبر نا آشنائے محض تھا، اور جو سیاسی مصالح اور ایسے بادشاہ کے مفاد کے بھی خلاف تھا، جس نے چار سو برس کی مسلمان سلطنتوں سے ملک کا چارج لیا تھا، ان نازک اعتقادی اور کلامی مسائل میں دخل دینے اور اس میں سلطنت کے اثر و رسوخ کے استعمال کرنے کی غلطی مامون الرشید (۱۷۰ھ — ۲۱۸ھ) جیسے عالم و ذہین خلیفہ کو بھی راس نہ آئی، اور وہ اس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ کر سکا۔[1]

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت "حصہ اول" "فتنۂ خلق قرآن" صفحہ ۹۴ تا ۱۰۱

لیکن اکبر نے بے چین طبیعت اور متجسس دماغ پایا تھا، اِدھر اقبال مندی اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کو اپنے بارہ میں کسی قدر خوش فہمی اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ سمجھنے لگا تھا کہ جس طرح وہ سیاسی گتھیوں کو سلجھاتا اور ملکی مسائل کو حل کرتا ہے اسی طرح وہ مذہب و عقائد کی پُرخار وادیوں میں بھی کامیاب ترکتازیاں کر سکتا ہے۔

دوسری طرف بعض شاطر ارکانِ دربار نے کچھ تو اپنا ذہنی تفوق ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ بادشاہ کی تفریح طبع اور رونق مجلس کے لئے بجائے مرغوں اور بٹیروں کی پالیوں اور سانڈوں اور ہاتھیوں کی لڑائی کے (جو مشرقی سلاطین و امراء کی قدیم تفریح تھی) مختلف مذاہب اور فرقوں کے علماء کے دنگل قائم کئے، اور اس کو تحقیق مذہبی اور علمی مباحثہ کا نام دیا، یہ بالکل بدیہی حقیقت ہے (اور مذاہب و افکار کی تاریخ میں اس کا سیکڑوں بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ اگر ان مناظروں، علماء، اور مذاہب کے وکلاء کی "بیت بازیوں" کا سننے والا گہرا اور وسیع علم اور دقیقہ رس دماغ نہیں رکھتا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ توفیق الٰہی اس کا ساتھ نہیں دیتی، تو اس کا تشکک وارتیاب، سوفسطائیت اور لاادریت کی وادی میں بھٹکنا یا الحاد و زندقہ کی عمیق خندق میں گر جانا بالکل قدرتی امر ہے۔

جہانگیر جس کی اکبر کے بارہ میں شہادت سے زیادہ کوئی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی، تزک میں لکھتا ہے۔

پدرِ من در اکثر اوقات با دانایان ہر	والد ماجد اکثر ہر دین و مذہب کے
دین و مذہب صحبت می داشتند،	دانشوروں سے ملاقات کرتے تھے،
خصوصاً با پنڈتاں و دانایان ہندو	خصوصاً ہندوستانی فاضلوں اور
بانکہ اُمّی بودند از کثرت مجالست	پنڈتوں سے اور اُمّی ہونے کے باوجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

با دانایان و ارباب فضل در گفتگوہا چناں ظاہر می شد کہ ہیچ کسے بامی بودن ایشاں نمی برد و بدقائق نظم و نثر چناں می رسید کہ مافوقے براں تصور نہ بود۔[1]

کثرتِ مجالست کے سبب علماء و فضلا کے ساتھ گفتگو میں کسی کو ان کے امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا، نظم و نثر کی باریکیوں کو اس طرح سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اسلام ہندو مذہب اور ہندوستان کے دوسرے مذاہب و فرق ہی کے نمائندوں، وکیلوں ہی پر اس بارہ میں اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ نوبت دانایان فرنگ تک پہونچی، خود ابوالفضل لکھتا ہے کہ "دربار کی طرف سے توریت و انجیل و زبور کے ترجمے اور ان کے مطالب کو بادشاہ تک پہونچانے کا اہتمام کیا گیا، اور اس کے لئے ایک درباری فاضل سید مظفر کو متعین کیا گیا، اور بعض عیسائی اہل سلطنت کو لکھا گیا۔

در اوقات طیبہ با دانایان جمیع ادیان صحبت داشتہ از کلمات نفیسہ و مقاصد عالیہ ہر کدام مستفید و مستفیض می شویم چوں تباین السنہ و تغایر لغات درمیان ست، لائق آں کہ بارسال ایں طور کسی کہ آں مطالب عالیہ با حسن عبارات خاطر نشاں کند مسرور سازند و بسمع ہمایوں رسیدہ کہ کتب سماوی مثل توریت و

ہم فارغ اوقات میں تمام مذاہب کے دانشوروں سے ملتے اور ان کے کلمات پاکیزہ اور بلند خیالات سے مستفید ہوتے ہیں، زبانوں کی اجنبیت حائل ہے، اس لئے کسی ایسے شخص کو بھیج کر مسرور کریں جو ان مطالب عالیہ کو اچھی عبارت کے ذریعہ دلنشیں کرے سمع ہمایوں تک یہ بات

[1] تزک جہانگیری ص ۱۵

انجیل و زبور بزبان عربی و فارسی در آوردہ اند اگر آں کتب مترجم یا غیر آں کہ نفع آں عام و فائدہ آں تام باشد دراں ولایت بودہ باشد فرستند در نیولا بجہت تاکید مراسم وداد و تشیید مبانی اتحاد سیادت مآب فضائل اکتساب صادق العقیدہ والاخلاص سید مظفر را کہ بمزید التفات عنایت سرفراز و مخصوص بودہ فرستادیم نسخہ چند بالمشافہ خواہد گفت اعتماد نمایند و ہموارہ ابواب مکاتبات و مراسلات را مفتوح دارند۔[1]

پہنچی ہے کہ کتب سماوی توریت انجیل و زبور کے ترجمے عربی فارسی میں ہوئے ہیں، اگر وہ مترجم کتابیں اس ملک میں ہوں تو افادۂ عام کے لئے انھیں بھیج دیں، رسم محبت کی تجدید اور بنیاد اتحاد کی پختگی کے خیال سے ہم نے سیادت مآب سید مظفر کو (جو ہماری عنایات سے سرفراز ہیں) ان تراجم کے چند نسخوں کے لئے بھیجا ہے، وہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں گے آپ اُن پر اعتماد کریں اور برابر خط و کتابت کرتے رہیں۔

ترجمہ کے علاوہ خود عیسائی پادری دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے مذہب کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور عقیدۂ تثلیث اور عیسائیت کو دلائل سے ثابت کیا، ملا صاحب لکھتے ہیں:-

دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشاں را پادری و مجتہد ایشاں را پاپا می گویند انجیل آوردہ و بر ثالث ثلثہ دلائل گزرانیدہ و حقیقت نصرانیت اثبات کردہ۔[2]

دربار میں ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی ایک گروہ تھا، ان لوگوں کو پادری کہتے ہیں اور ان کے بڑے مجتہد کا نام پاپا (پوپ) ہے ان لوگوں نے انجیل پیش کی اور ثالث ثلثہ کے متعلق دلائل پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

اکبر کا یہ شوق اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ گوا کے پادریوں کی مجلس کے صدر کو اس نے ایک خط میں یہاں تک لکھ دیا:

[1] انشائے ابوالفضل ص ۳۹ [2] منتخب التواریخ ۲/۲۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مجھے امید ہے کہ میرا خط ملتے ہی عزت مآب پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے کچھ پادریوں کو میرے دربار میں بھیجدیں گے تاکہ اپنے علما سے مباحثہ کراکے میں ان کے علم و اخلاق کا اندازہ کرسکوں اور اپنے علماء پر جنھیں ہم قاضی کہتے ہیں' ان کی فوقیت کا مشاہدہ کرسکوں اور اس طرح وہ انھیں حق کی تعلیم دے سکیں"[1]

مجالس مناظرہ کا پرانا تجربہ ہے کہ کسی مذہب کی صداقت اور اس کی ترجیح کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیشہ دلائل کی قوت اور علمی ثبوت کافی اور فیصلہ کن نہیں ہوتا، اس کا بہت کچھ دارومدار اس مذہب کے وکیلوں اور نمائندوں کی چرب زبانی اور قوت بیانی پر ہے بعض مرتبہ ایک کمزور مذہب کے وکیل زیادہ قادر الکلام، خوش بیان، نفسیات انسانی سے واقف اور موقع شناس ہوتے ہیں' وہ سننے والے کو متاثر اور معتقد بنا لیتے ہیں' ایک صحیح مذہب کے ترجمان (کسی وجہ سے) ان خصوصیات سے عاری اور ان کلامی اسلحہ سے خالی ہوتے ہیں' اور وہ اپنے اس نقص کی وجہ سے بازی ہار جاتے ہیں' اس میں بہت شبہ ہے کہ اکبر کے دربار میں اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کرنے والے جو علماء موجود تھے' اور جو اُن دانایانِ فرنگ کے مقابلہ میں کھڑے کئے جاتے تھے' ان کا تورات و انجیل و مذہب عیسوی کا مطالعہ اور اس کی کمزوریوں سے واقفیت اور اسلام کو عقلی و علمی طور پر پیش کرنے کی صلاحیت اس درجہ کی تھی کہ وہ ان کو ان مغربی فضلاء کا مدمقابل بنا سکے اور وہ اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کرسکیں' اس صورتِ حال سے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان غیر ملکی عیسائی فضلاء کی علمی و عقلی برتری کا نقش قائم ہوگیا ہو اور علمائے اسلام (جو اس میدان کے مرد نہ تھے) اس کی نظر سے گر گئے ہوں۔

اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا، ملا عبدالقادر لکھتے ہیں :۔

اہل بدع واہوا بمقتضائے آرائی	اہل بدعت اور ہوا پرست اپنی غلط آراء

[1] ڈاکٹر ایشوری پرشاد۔ مغل سلطنت ص ۳۷۵ DR. ISHWARI PRASAD. THE MUGHAL EMPIRE, (ALLAHABAD, 1974) p. 375.

فاسدہ وشبہات باطلہ از کمیں برآمدہ	اور باطل شبہات کے سبب کمین گاہوں
باطل را بصورت حق وخطا را بلباس	سے نکل آئے اور باطل کو حق کی صورت
صواب جلوہ دادہ، پادشاہی را کہ	میں اور خطا کو صواب کے لباس میں پیش
جوہری نفیس وطالب حق بود اما عامی	کرنے لگے، اور بادشاہ کو جو جوہر ذاتی
محض ومتالف ومتأنس بکفرہ	رکھتا تھا، اور طالب حق مگر امی محض
واراذل، در شک انداختہ حیرت	اور کافروں سے مانوس تھا، شک میں
بر حیرت افزود ومقصود از میاں	مبتلا کردیا، اور اس کی حیرت میں اضافہ
رفت، وسد سدید شرع مبین ودین متین	کردیا اور مقصد فوت ہوگیا اور شریعت
شکست وبعد از پنج شش سال خود	کا بندھ ٹوٹ گیا، اور پانچ چھ سال
اثری از اسلام نماند وقضیہ منعکس شد[1]	کے بعد اسلام کا کوئی اثر نہ رہ گیا اور
	معاملہ بالکل الٹ گیا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

در ہر رکنے از ارکان دین وعقیدہ از	ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے
عقیدۂ اسلامیہ چہ در اصول وچہ در	ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے
فروع مثل نبوت وکلام ورویت و	ہو یا فروع سے مثلاً نبوت و مسئلہ کلام، دیدار الٰہی،
تکلیف وتکوین، وحشر ونشر شبہات	انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر
گوناگوں بہ تمسخر واستہزاء آوردہ[2]۔	وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ
	طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۵۵ [2] ایضاً ص ۳۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر طرہ یہ ہوا کہ تفسیر و تاریخ جیسے نازک مضمون جن میں ناخدا ترس اور غیر راسخ العلم لوگوں کو ذہنی انتشار پیدا کرنے کی بڑی گنجائش ہے اس امی بادشاہ کے دربار اور ایک غیر سنجیدہ اور بے باک فضا میں پڑھے جانے لگے۔

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :-

ودریں ایام قاضی جلال ودیگراں را از علماء فرمودند تا تفسیر قرآن مجید می گفتہ باشد، ودرمیان علماء بر سر آں غوغائی بود ودیب چند مسخرہ راجہ منجھولہ می گفت کہ اگر گاؤ نزد حق تعالے معظم نبودی در اول سورہ قرآنی چرا مذکور شدی، وچوں تاریخ خواندہ می شد روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسد شدن گرفت وگام فراخ تر نہادند و نماز وروزہ وجمیع نبوات تقلیدیات نام نہادند یعنی غیر معقول ومدار دین بر عقل گزاشتند نہ نقل، وآمد ورفت فرنگیاں نیز شد وبعضی اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند۔[1]

انہی دنوں میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ تفسیر قرآن بیان کریں اور خود علماء کے درمیان اس معاملہ میں بڑی کشمکش تھی، دیپ چند مسخرہ راجہ منجھولہ کہتا تھا کہ اگر حق تعالے کے نزدیک گائے محترم نہ ہوتی تو قرآن کی پہلی سورہ میں کیوں مذکور ہوتی؟ اور جب تاریخ پڑھی جانے لگی تو روز بروز صحابہ سے لوگوں کا اعتقاد خراب ہونے لگا اور اس سے آگے بڑھ کر، نماز روزہ اور تمام نبوی تعلیمات کو تقلیدیات کا نام دینے لگے یعنی انھیں غیر معقول کہنے لگے اور دین کا مدار بجائے نقل کے عقل پر رکھنے لگے، فرنگیوں کی آمد ورفت بھی ہونے لگی،

[1] منتخب التواریخ جلد دوم صـ ۲۱۲

چنانچہ ان کے بھی بعض اعتقادات قبول کر لئے۔

اکبر کے تغیر مزاج وانحراف میں علمائے دربار وارکان سلطنت کی ذمہ داری

اکبر کو اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رکھنے، اور اس کے مزاج کو بے اعتدالی اور انحراف سے بچانے میں علمائے دربار وارکان سلطنت بھی بڑا بنیادی اور مفید کردار ادا کر سکتے تھے، لیکن اس کے لئے ایک طرف ایسے علماء کی ضرورت تھی، جو حکمتِ دین اور "تفقہ" کا جوہر رکھتے ہوں، ان کی نظر جزئیات سے زیادہ کلیات پر ہو، وسائل سے زیادہ مقاصد پر اور "فصل" سے زیادہ "وصل" کی اہمیت وضرورت پر ہو، اخلاق عالیہ سے متصف بے لوث اور بے غرض، جاہ طلبی اور حب دنیا سے امکانی حد تک دور ہوں، اور ان کا کسی درجہ میں "تزکیۂ نفس" ہو چکا ہو، وہ اس عظیم نوخیز اسلامی سلطنت کی اہمیت ونزاکت کو خوب سمجھتے ہوں جو اس غیر مسلم اکثریت سے (جس میں اب بھی اپنے سلطنت واقتدار سے محرومی کا احساس باقی ہے اور جس کے تعاون کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی) گھری ہوئی ہے اور یہ کہ ان کو جس تیموری سلطنت کی خدمت و رہنمائی کا زریں اور تاریخی موقع ملا ہے، وہ اس وقت ترکی کی عثمانی سلطنت کے بعد مملکت کی وسعت، وسائل کی کثرت، انسانی طاقت اور مذہبی جذبہ کی حکمرانی ہر لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت ہے، اس لئے اس کی حفاظت، اس کا اسلام سے رشتہ قائم رکھنے، اس کے سربراہ کو ان نازک حالات میں اس "شیشہ وآہن" اور اس "پنبہ وآتش" کو جمع رکھنے میں مدد دینا وقت کی سب سے بڑی عبادت اور دین وملک کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

دوسری طرف ایسے ارکان سلطنت اور مشیران دربار کا مہیا ہو جانا ضروری تھا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو اس دین پر (جس کو بابر نے رانا سانگا (۹۳۳ھ) کے مقابلہ میں میدان جنگ میں منہیات شرعیہ سے توبہ کرکے اور خدا سے بندگی کا عہد استوار کرکے سلطنت کی بنیاد بنا دیا تھا[1]) خود بھی مستحکم عقیدہ رکھتے ہوں، اور بادشاہ کے لئے بھی اسی کو پسند کرتے ہوں، وہ ہر قسم کے ذہنی انتشار سے محفوظ اور ان تخریبی اور ملحدانہ تحریکوں سے دور ہوں، جو دسویں صدی میں ایران و ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جو سلطنت و معاشرہ کا رابطہ کمزور کرنے والی، اعتقادی و اخلاقی انارکی پھیلانے والی تھیں، ان میں سلطنت کے نظم و نسق اور دستور سازی کی صلاحیت کے ساتھ اخلاقی بلندی، دینی استقامت اور مذہبی پابندی بھی پائی جاتی ہو۔

اگر یہ دونوں عنصر اکبر اور اس کی سلطنت کو میسر آجاتے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سلطنت مشرق میں حمایت اسلام اور خدمت دین کا وہی کردار ادا کرتی جو مغرب میں آل عثمان کی سلطنت نے ادا کیا بقول اقبال ؎

نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکان تیموری

لیکن یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ اکبر کو (اس کی اقبال مندی اور خوش نصیبی کے ساتھ) ان دونوں جماعتوں میں سے جو عنصر ملا وہ اتنا ہی نہیں کہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خدمت کے بجائے بدخدمتی، اکبر کو دین سے قریب کرنے کے بجائے اس کو دین سے دور، متوحش و متنفر بنانے اور ان مخالف اسلام دعوتوں اور تحریکوں سے دور رکھنے یا ان کے استیصال پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کو ان دعوتوں اور تحریکوں کا علمبردار بلکہ ان کا رمز و نشان بنانے کی خدمت انجام دینے والے تھے۔

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ۔

علمائے دربار

ہم پہلے عنصر علمائے دربار کو پہلے لیتے ہیں، جن کا اکبر شروع سے غاشیہ بردار رہا تھا، اور جن پر اس نے سب سے زیادہ اعتماد کیا، اور جن کو خود بھی دربار میں سب سے پہلے تقرب حاصل ہوا، اور جو اسلام کے ایک بڑے عالم و مبصر حضرت عبداللہ بن مبارک کی نظر میں تین عناصر فساد میں سے ایک اہم عنصر ہیں ؎

وهل افسد الدين الا الملوك　　واحبار سوء ورهبانها

دین کو سلاطین، علمائے سوء اور زاہدان دنیا دار کے سوا کس نے بگاڑا ہے؟

ہم اس موقع پر بھی ملا عبدالقادر بدایونی کی شہادتیں نقل کرتے ہیں، جو خود ارکانِ دربار میں سے تھے، اور ان کے ان بیانات میں بھی جو انھوں نے ایک تاریخی شہادت کے طور پر خود اپنی جماعت اور رفقاء کے متعلق دیئے ہیں، ان کی کوئی ذاتی غرض اور عناد معلوم نہیں ہوتا، علمائے دربار کی تصویر کشی انھوں نے اس طرح کی ہے:-

"عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ اور علماء و امراء کی طلبی ہوتی، آگے پیچھے بیٹھنے میں مشائخ و علماء سے نفسانیت کا اظہار ہوا، ہر ایک دوسرے سے آگے اور ممتاز جگہ بیٹھنا چاہتا تھا، بادشاہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ حکم دیا کہ امراء جانبِ مشرق بیٹھیں، سادات جانب مغرب، علماء جنوب میں، اور مشائخ شمال میں، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا"[1]

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک رات علماء بڑے زور زور سے بولنے اور بحث کرنے لگے،

۱؎ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۰۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ کو اس سے تنغّص پیدا ہوا، اور اس نے اس کو بے تمیزی اور دنیا داری پر محمول کیا۔[1]

بایک دیگر تیغ زباں کشیدہ در مقام	باہم دگر تیغ زبان کھینچ کر ”مد مقابل ہو گئے
تنافی و تقابل بودند، و اختلاف بجائے	اختلاف یہاں تک بڑھ گیا کہ ایک
ایں رسید کہ تکفیر و تضلیل ہم دیگری نمودند،	دوسرے کی تکفیر و تضلیل پر اتر آئے
رگِ گردن علماء زماں بر آمد، آواز ہائے	اس وقت کے علماء کی گردنوں کی
بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد، ایں معنی	رگیں پھولی ہوئیں اور آوازیں بہت
بر خاطر اشرف گراں آمدہ۔	بلند تھیں، اس بات سے خاطر اشرف
	پر گرانی ہوئی۔

اکبر نے اس پر آزردہ اور مکدّر ہو کر ملا عبد القادر سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بد تمیزی کا مظاہرہ کرے اسے وہاں سے اٹھا دیا جائے۔

اعلیٰ دینی عہدہ داروں میں ایک اہم رکن ملا عبد اللہ سلطانپوری تھے[2] جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا، انھوں نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا تھا، زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی حیلۂ شرعی[3] سے کام لیتے تھے، اور اس کی فرضیت سے بچ جاتے تھے، انھوں نے عہد اکبری اور اپنے عروج کے زمانہ میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق ان کے آبائی قبرستان سے برآمد ہوئے، جنھیں مُردوں کے

---

[1] ایضاً ص۲۰۳ [2] یہ سلطان پور مشرقی پنجاب میں جالندھر کے قریب ہے، ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”نزہۃ الخواطر“ جلد ۵۔

[3] یعنی حولان حول ہونے (ایک سال گزر جانے) سے پہلے وہ رقم جس پر زکوٰۃ فرض ہو رہی تھی، اہلیہ یا کسی دوسرے عزیز کو دے دیتے، وہ لینے کے بعد واپس کر دیتا، اس طرح وہ اس سال زکوٰۃ سے بچ جاتے کہ حولان حول کی شرط ہے آئندہ سال بھی یہی عمل کرتے۔

بہانہ سے انھوں نے دفن کر دیا تھا۔[1]

مخدوم الملک کے بعد دوسرا درجہ صدر الصدور مولانا عبد النبی کا تھا،[2] جو اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے عالم، اور خاص طور پر فن حدیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے، لیکن ”منتخب التواریخ“ کی بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علمی پایہ کچھ بلند نہ تھا، اور عربی کے بعض الفاظ کی تصحیح و تحقیق بھی پورے طور پر نہ تھی،[3] اکبر نے ان کو صدر الصدور کا عہدہ دیا، اور ان کو ایسا جاہ و جلال اور اختیار و اقتدار حاصل ہوا کہ ان کے سامنے اچھے اچھے ارکان سلطنت کا چراغ نہیں جلتا تھا، بادشاہ نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے ان کو جوتے پہنائے، بڑے بڑے علماء شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے، سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ اور سجادہ نشینوں کو جاگیریں عطا کرنا، معافیاں دینا، اور وظائف جاری کرنا ان کا کام تھا، اور اس میں انھوں نے ایسی دریا دلی سے کام لیا کہ پچھلی سلطنتوں میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

لیکن ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق (جو ان کے معاصر دوست اور شریک دربار تھے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء کے اعلیٰ اخلاق، اپنے خاندان کی بہترین روایات و خصوصیات بلکہ عام تہذیب اور موقع شناسی سے بھی عاری تھے، ممکن ہے کہ اس اعلیٰ عہدہ نے ان میں یہ تبدیلی

---

[1] ایک روایت ہے کہ ان قبروں سے تین کروڑ روپئے مالیت سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔

[2] شیخ عبد النبی شیخ احمد گنگوہی کے صاحبزادہ اور حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے، لیکن علمائے حجاز سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو اپنے خاندانی مسلک وحدۃ الوجود اور سماع سے اختلاف ہو گیا تھا اور ان کے تعلقات اپنے والد سے اچھے نہیں رہے تھے، حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”نزہۃ الخواطر“ جلد ۵۔ [3] علمائے حجاز بالخصوص علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی کی جیسے اساتذۂ وقت سے علم حدیث حاصل کرنے اور صاحبِ تصنیف ہونے کے ساتھ یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ وہ معمولی عربی الفاظ کو غلط (مثلاً ”حِجر“ کو جس میں پہلے جیم منقوط ہے، ”حَجر“ جس میں پہلے حائے مہملہ ہے) پڑھیں۔ ”واللہ اعلم بالصواب“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا کر دی ہو، ان کا اخلاقی اثر بھی بادشاہ و ارکان دربار پر اچھا نہیں پڑتا تھا، ملا عبد القادر ان کو اپنے عہدہ و رسوخ کا غلط استعمال کرنے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ "انھوں نے سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیر داروں کو دوڑانا شروع کیا، لوگ شیخ کے وکیلوں ان کے فراشوں و دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوت دینے پر مجبور ہو گئے کہ اس کے بغیر کاربرآری نہیں ہوتی تھی"[1]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دینی احتساب کرنے میں وہ حکمت و موقع و محل کی رعایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے، اور بعض اوقات خود بادشاہ اس کی زد میں آجاتا تھا، "مآثر الامراء" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "اکبر کی ایک سالگرہ کے موقعہ پر امراء، علماء و مشائخ بادشاہ کو مبارکباد دے رہے تھے، بادشاہ کے بدن پر زعفرانی رنگ کا لباس تھا، شیخ نے اِس لباس پر اعتراض کیا، اور دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی، لیکن یہ تاکید اس جوش سے کی کہ ان کے عصا کا سرا بادشاہ کے لباس شاہی کو جا لگا، بادشاہ نے اس کو برداشت کر لیا لیکن اس کو اپنی سخت ہتک محسوس ہوئی، اور جب وہ حرم میں گیا تو اپنی والدہ سے شیخ کی شکایت کی، والدہ نے جو ایک بزرگ خاندان کی بیٹی تھیں بادشاہ کو سمجھایا کہ اس وقت اس کا یہ تحمل تاریخ میں اس کے مناقب میں لکھا جائے گا کہ ایک عالم نے جو رعیت میں سے تھا جہاں پناہ کو عصا مارا اور وہ محض شریعت کے احترام میں خاموش رہا"[2]

اس کے علاوہ مصیبت یہ پیش آئی کہ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی دونوں ایک دوسرے کے حریف و رقیب ہو گئے، مخدوم الملک شیخ عبد النبی کو الزام دیتے تھے، اور شیخ عبد النبی مخدوم الملک کی تجہیل و تکفیر کرتے تھے، اور ان کے حامی ایک دوسرے کے صف آرا بن جاتے

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۵ [2] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۵۶۱

تھے، مخدوم الملک اور صدر شیخ عبد النبی کے حالات سے (اگر وہ بالکل اسی طرح ہیں جو تاریخ میں آئے ہیں) اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علم و حکمتِ دینی اور تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس کسی لحاظ سے اس نازک زمانہ (عہد اکبری) اور اس اہم اور پیچیدہ ماحول (دربار اکبری) میں دین کی صحیح نمائندگی اور نیابت رسُل کے کام کے لئے موزوں نہ تھے، اس کے لئے اگر سلیمان بن عبد الملک خلیفہ اموی کے مشیر و وزیر رجاء بن حیوۃ اور خلیفہ ہارون رشید کے دینی مشیر و قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف کے درجہ کا عالم و متقی اور فرزانہ و مدبر نہ ہوتا تو کم سے کم عبد العزیز آصف خاں اور قاضی شیخ الاسلام[1] جیسے صاحب کمال، عالی دماغ اور زاہد و متقی مشیر سلطنت ہوتے، اکبر کے دربار میں جیسا کہ آگے آئے گا، ایران و ہندوستان کے جو ذہین و متبحر علمائے معقولی اور ادیب جمع ہو گئے تھے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان دونوں سے کہیں بہتر صلاحیتوں، دین و شریعت کے نمائندوں اور سلطنت کے مذہبی محافظوں اور مشیروں کی ضرورت تھی۔

اکبر نے جو (ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق) ان علماء کو جو اس کے عہد کی زینت تھے، غزالی و رازی سے بہتر سمجھتا تھا جب ان کی یہ سخیف حرکتیں دیکھیں تو علمائے سلف کو بھی انھیں پر قیاس کر کے سرے سے علماء ہی کا منکر ہو گیا۔

ارکان سلطنت و مشیران دربار

ارکان سلطنت کے بارے میں اکبر کی بد قسمتی علمائے دربار سے کم نہ تھی، علم و ثقافت سے سادہ لوح ہونے کی بنا پر اس پر ہر زبان آور ذہین و طبّاع کا جادو چل جاتا تھا، خاص طور پر جب وہ ولایت (ایران) سے آیا ہو، جس کو ہندوستان و افغانستان کے رہنے والے یونان کا

[1] ان دونوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو یاد ایام (تاریخ گجرات) از مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب حسنی مرحوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درجہ دیتے تھے، اسی زمانہ میں جب اکبر کے قدم دین کے میدان میں لڑکھڑا رہے تھے ایران سے تین بھائی حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں (حکیم ہمام) اور نورالدین قراری آئے اور دربار میں اونچی جگہ پائی، کچھ عرصہ کے بعد ملا یزدی ولایت سے آئے اور صحابۂ کرام کے حق میں بیباکانہ زبانِ طعن کھولی، حکیم ابوالفتح نے قدم آگے بڑھایا اور حقائق دینی (وحی، نبوت، معجزات) وغیرہ کا برملا انکار کیا[1]، اسی عرصہ میں شریف آملی کی ایران سے آمد ہوئی، جو (جیسا کہ اوپر کہا گیا) محمود بسیخوانی کے نقش قدم پر تھا، اور ملحدانہ عقائد رکھتا تھا۔

ان ایرانی فضلاء و اہل کمال کے علاوہ اعتقادی تزلزل اور ذہنی انتشار کے اسی دور میں کالپی کا رہنے والا ایک حاضر جواب علم مجلسی میں کمال رکھنے والا اور بذلہ سنج اور لطیفہ گو ہندو برہم داس نامی دربار میں داخل ہوا اور بہت جلد بادشاہ کے مزاج میں دخیل اور دربار میں کرسی نشیں ہو گیا، اور مصاحب خاص کا اعزاز پاکر راجہ بیربر کے نام سے مشرف و مفتخر ہوا[2]، اس نے ہوا کا رخ دیکھ کر مذہبی معاملات میں اور نازک اسلامی عقائد و مسائل میں بیباکانہ اور استہزائی رویہ اختیار کیا، اور چونکہ یہی "سکۂ رائج الوقت" تھا، اس لئے ہر طرف سے داد پائی، بادشاہ کے مزاج کو دین کے معاملہ میں غیر سنجیدہ بنانے میں اس کو بھی بڑا دخل ہے[3]۔

ملا مبارکؒ اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل

اس پر طرفہ یہ ہوا کہ دربار میں ملا مبارک ناگوری کی آمد و رفت شروع ہوئی[4]، اور اس کے

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ صـ ۲۱۱   [2] راجہ بیربل کے اخلاق و کیرکٹر کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو دربار اکبری از محمد حسین آزاد صـ ۳۳۶ تا ۳۸۲   [3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ جلد ۲ صـ ۱۶۱

[4] ابوالفضل نے اکبرنامہ میں ملا مبارک کے اول مرتبہ دربار میں پہونچنے کو بارہویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے۔

دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کے مزاج میں ایسا درخود اور دربار میں ایسا اعزاز حاصل ہوا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا، ملا مبارک اور ابوالفضل، فیضی تینوں کے حالات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے نہایت ذکی، اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے، علوم عقلیہ و ادبیہ پر حاوی، فارسی کے شاعر و انشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم، طرز تدریس و تحقیق اور رائج و مقبول علوم و فنون کے لحاظ سے لائق فاضل و "دانشمند" تھے، اگر اس تبحر و تفنن علمی ذہن کی دراکی، طبیعت کی موزونیت اور زبان و قلم کی ہم زبانی کے ساتھ ان باپ بیٹوں میں دین میں استقامت رسوخ فی الدین، خدا ترسی و آخرت کوشی اور اخلاص و للٰہیت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے جس کی نظیر ملنی مشکل ہوتی، لیکن ان کے حالات اور خود ابوالفضل و فیضی کے تصنیفات کے مطالعہ سے حسب ذیل حقائق کا علم ہوتا ہے:۔

(۱) ملا مبارک (جو اس مثلث کا نقطۂ آغاز تھے) کی طبیعت میں بے چینی اور دماغ میں فطرتاً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد ان کے اندر بجائے جمع و تطبیق اور تاویل و توجیہ کے سب سے انکار و بیزاری کا رجحان پیدا ہو گیا، اور وہ اس پورے فقہی ذخیرے اسلاف کی محنت سے بے اعتقاد ہو گئے، ادھر شیراز کے مشہور فاضل معقولات ابوالفضل گازرونی کے حلقہ میں شریک ہو کر ان پر تفلسف کا غلبہ ہوا، بجائے مشائخ و ائمہ فن سے سلوک و تزکیہ میں کسب فیض کرنے اور مکائد شیطان اور امراض نفس سے واقف ہونے کے تصوف و اشراق کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور ان سب کوچوں سے گزرنے کے بعد ان کے اندر ایک تلون و انتشار پیدا ہو گیا، اور ان میں ہر رنگ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ جانے اور ؏ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خواجہ کلاں جن کی تربیت شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی[1]، ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

در ہر عصر ہم مشرب و مذہب شعار	ہر زمانے کا وہ مروجہ مذہب و مشرب
وقت خود می ساخت کہ ملوک و امرائے عصر	اپنا لیتے تھے جس سے امراء و ملوک
بدان مذہب رغبت داشتند[2]	بھی رغبت رکھتے تھے۔

سر ولیزلی ہیگ لکھتا ہے کہ "شیخ مبارک مختلف ادوار میں سنی، شیعہ، صوفی اور مہدوی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا"[3]

(۲) طبیعت میں حوصلہ مندی اور جاہ طلبی تھی، اس لئے علم و درس کے محدود دائرہ میں محبوس رہنا ان کی مواج طبیعت کو گوارہ نہ ہوا، ان کو سرکار دربار پر اپنے علم و ذہانت کا سکہ بٹھانے کا شوق ہوا، اور وہ اکبر کے سایہ میں (جو سایۂ ہُما کی طرح سمجھا جانے لگا تھا) آگئے اور خود تو نہیں لیکن اپنے دونوں بیٹوں کو دخیل بنا دیا۔

(۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے زمانہ (اور خاص طور پر مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی جو دربار پر حاوی تھے) نے ان کو وہ مقام نہیں دیا تھا جس کے وہ اپنی ذہانت اور فضیلت کی بنا پر اہل تھے، اور ان کے بعض عقائد و خیالات اور تلون مزاجی کی بنا پر ان کی دینی حلقوں میں مخالفت کی گئی یا ان سے بے اعتنائی برتی گئی، اس کا زخم ان کے دل پر گہرا لگا، مولوی محمد حسین آزاد

[1] خواجہ کلاں نے حضرت خواجہ حسام الدین کے گھر میں تربیت پائی تھی، خواجہ حسام الدین کی اہلیہ ملا مبارک کی دوسری بیٹی تھیں (تاریخ ہندوستان جلد ۵ ص ۹۴۷)

[2] مبلغ الرجال ورق ۳۳ الف

[3] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۴ ص ۱۲۴

کے ادیبانہ الفاظ میں "شیخ مبارک نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے کہ دل چھلنی ہو رہا تھا شیخ (ابو الفضل) اور شیخ کے باپ ملا مبارک نے مخدوم اور صدر وغیرہ کے ہاتھوں برسوں تک زخم کھائے تھے، جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے[1]" دوسری جگہ لکھتے ہیں "شیخ مبارک پر جو مصیبتیں مخدوم کے ہاتھوں گزری تھیں، بیٹوں کو بھولی نہ تھیں، انھوں نے ان کے تدارک کی فکر کے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے اور اکبر کے خیالات بھی بدلنے لگے[2]" مولوی محمد حسین آزاد، آزاد خیال ہونے کے باوجود خود بھی لکھتے ہیں کہ "فیضی اور ابو الفضل کا معاملہ ان کے باپ کی طرح گوگو رہا"۔

علماء کی اس مخالفت اور زمانہ کی اِس ناانصافی نے اس پورے گھرانہ کے اندر "احساس کہتری" پیدا کر دیا، جو مختلف شکلوں میں اور اکثر اوقات "احساس برتری" کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے، اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے علم و ذہانت کے سامنے کسی کا چراغ جل نہیں سکتا، اِس کوشش میں اسلام اور پورا دینی نظام زد میں آگیا، یہاں تک کہ جب سب چراغ ان دونوں بھائیوں کے علم و ذہانت کے چراغ کے سامنے گُل یا ماند پڑ چکے تھے، اور اس مملکت میں انھیں کا طوطی بول رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی چمن اسلام ان کی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا تو (ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق) ابو الفضل کی زبان پر یہ دو شعر تھے، جو بالکل حسب حال تھے ؎

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش	چو خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش	اے وائے من و دست من و دشمن خویش

ملا مبارک کے دو لائق و باکمال فرزند تھے، ابو الفیض فیضی (ولادت ۹۵۴ھ) اور ابو الفضل علامی (ولادت ۹۵۸ھ)۔

[1] دربار اکبری ص ۱۴۹، ۵۰ [2] ایضاً ص ۳۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیضی علوم ادبیہ میں کمال رکھتا تھا، اور اس کی فارسی شاعری اور اس کے استاد ہونے میں دو رائیں نہیں، مولانا شبلی نے "شعر العجم" میں صحیح لکھا ہے کہ "فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا خسرو اور فیضی"۔[1]

فیضی کو خواجہ حسین مروی سے تلمذ تھا، اور اس نے ہر فن میں کمال پیدا کیا، ۱۲ جلوس ۹۷۴ھ میں وہ دربار میں پہونچا اور شاہانہ نوازش سے بہرہ یاب ہوا فیضی کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہیں کی، طبیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انھیں مشغلوں میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۱۲ جلوس میں شہزادہ دانیال کی تعلیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اس کو ضروری مراتب سکھا دیئے، اس سن میں اکبر نے اجتہاد و امامت کے دعوی سے مسجد میں جا کر خطبہ پڑھا۔۔ خطبہ فیضی نے لکھا تھا، اکبر نے شیخ عبد النبی کا زور توڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیئے تھے، چنانچہ ۹۹۰ھ میں آگرہ، کالنجر اور کالپی کی صدارت فیضی کو دی گئی، ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں پر اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس مہم میں مامور کیا گیا، ۹۹۶ھ میں جو اکبر کی تخت نشینی کا ۳۳ واں سال تھا فیضی کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۳۶ جلوس مطابق ۹۹۹ھ میں فیضی کو خاندیس کی سفارت پر متعین کیا گیا، اور اس نے بڑی کامیابی سے یہ خدمت انجام دی صفر ۱۰۰۴ھ ۴۰ جلوس میں انتقال کیا۔[1]

ادبی تصنیفات سنسکرت کے تراجم اور منظومات اور دیوان کے علاوہ اس کی سب سے مشہور تصنیف "سواطع الالہام"[2] ہے، جو قرآن مجید کی غیر منقوط تفسیر ہے، دو سال کی مدت

[1] ملخص از شعر العجم حصہ سوم (ص ۲۸-۴۲) [2] فیضی نے یہ تفسیر جس میں اس کی پابندی کی ہے کہ کوئی نقطہ والا (باقی ص ۹۷ پر)

میں ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی، اکبر نے اس کے صلہ میں فیضی کو دس ہزار روپے دیئے[1]، فیضی کو اس تصنیف پر ناز تھا، اور اس سے عربی زبان و لغت پر اس کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، بدایونی اختلاف مذہبی کے باوجود اس کے کمال علمی اور تبحر کی شہادت دیتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

در فنون جزئیہ از شعر و معمہ و عروض و	فنون جزئیہ یعنی شعر و معمہ، عروض و
قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء	قافیہ، تاریخ و لغت، طب و انشاء
عدیل در روزگار نداشت۔	میں یکتائے روزگار تھا۔

کتابوں کا نہایت شائق تھا، ایک گراں مایہ کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں ۴ ہزار ۶ کتابیں تھیں، اور اکثر خود مصنف کی یا اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں۔

ملا عبد القادر بدایونی اور اس زمانہ کے وہ تمام لوگ جن کے دل میں اسلام کی حمیت تھی،

(باقی ص ۹۶ کا) حرف نہ آنے پائے اور جس کی اس کے زمانہ اور اس کے زمانہ کے بعد دھوم مچ گئی اپنی قابلیت کا ثبوت اور اس الزام کی تردید میں لکھی کہ اس کو علوم دینیہ سے اشتغال نہیں ہے، لیکن اس کام سے اس کی عربی زبان پر قدرت کا کتنا ہی اظہار ہو اس میں کوئی علمی و عملی افادیت نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض خطاط چاول پر قل ہو اللہ لکھ کر اپنی باریک نویسی اور خطاطی کا ہنر ظاہر کرتے تھے اس تکلف کی وجہ سے تحریر میں نمک اور کلام میں کوئی لطف اور رونق نہیں ہے۔

شائد اس سے زیادہ مفید اور قابل قدر علمی کارنامہ وہ قرار پائے گا جو اسی زمانہ کے ایک شامی عالم محمد بدر الدین معروف بابن الغزی الدمشقی (م ۹۸۴ھ) نے انجام دیا، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر ایک لاکھ اسی ہزار اشعار میں کی، اس کا ایک منظوم خلاصہ بھی تیار کیا، اور اس کو سلیمان اعظم کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے علماء کو دکھایا کہ اس میں کوئی چیز جمہور کے عقیدہ کے خلاف یا تحریف کی تو نہیں ہے، علماء نے اس کی تصدیق و تعریف کی سلطان نے اس پر مصنف کو بڑا انعام دیا، الکواکب السائرہ نجم الدین الغزی جزء ثانی نیز البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للعلامہ محمد بن علی الشوکانی الیمنی صاحب نیل الاوطار (م ۱۲۵۰ھ) جزء ثانی ترجمہ محمد بن محمد الغزی ص ۲۵۲)

[1] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۵۸۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عہد اکبری کی اس صورت حال سے سخت مغموم و بیزار تھے، اس بات پر متفق ہیں کہ فیضی بھی اپنے والد کی طرح عقائد میں تزلزل اور ذہنی انتشار میں مبتلا تھا، اور اس کو اکبر کو لامذہب و ملحد بنانے میں خاص دخل ہے، مولانا عبد القادر نے "منتخب التواریخ" میں فیضی کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں سے مبالغہ اور انشاء پردازی کے حصہ کو نکالنے کے بعد بھی اس کی آزاد خیالی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا، مولانا شبلی نے "شعر العجم" میں اس کی طرف سے پورا دفاع کیا ہے، پھر بھی لکھتے ہیں کہ "بایں ہمہ وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویوں نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہے، وہ اسلام کی اصل تصویر نہیں، شیعہ سنیوں کے جھگڑوں کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا، ان خانہ جنگیوں کی ہنسی اڑاتا تھا" پھر مولانا نے اس کی عرضداشت کے چند اقتباسات پیش کئے ہیں، جن میں تمسخر اور استہزاء کا انداز ہے[1] مولانا لکھتے ہیں کہ "فیضی اور ابو الفضل نے علمی مجلسیں قائم کرائیں، جن میں درباریوں کو علانیہ نظر آیا کہ ان متعصبوں کے پاس لعن و تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہیں"۔

معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کی زندگی ہی میں اس کے ملحدانہ خیالات کی شہرت ہوگئی تھی، لوگوں نے اس کی وفات کی جو تاریخیں نکالی ہیں، اس سے اسی کا اظہار ہوتا ہے، اس کے انتقال کی روایت بھی بڑی عبرت انگیز ہے۔[2]

ابو الفضل بھی اپنی ذہانت، طباعی اور تفنن علمی میں نوادر روزگار میں سے تھا، اور جس طرح اس کے بڑے بھائی فیضی کو شاعری میں دستگاہ کامل حاصل تھی، وہ تحریر و انشا پردازی میں ید طولیٰ رکھتا تھا، اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۳-۸۴ میں وہ لکھتا ہے کہ کمسنی ہی میں اپنی خود بینی اور

---

[1] شعر العجم حصہ سوم ص ۴۹-۵۰ [2] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۴۰۶-۴۰۵ فیضی کے مذہب پر تبصرہ مولوی محمد حسین آزاد کے قلم سے دربار اکبری ص ۴۷۱ پر ملاحظہ ہو۔

خویشتن آرائی ظاہر بینی اور تقلید کے خلاف اس کو جنون پیدا ہوگیا تھا۔[1]

۹۸۱ھ میں وہ آگرہ میں دربار میں باریاب ہوا، اور اس نے آیۃ الکرسی کی تفسیر بادشاہ کو پیش کی، پھر ۹۸۲ھ میں سورۃ الفتح کی تفسیر کا ہدیہ گزرانا اس وقت اس کا تقرب برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وزارت جلیلہ و وکالت مطلقہ کے منصب پر سرفراز ہوا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ "آئین اکبری" ہے، "آئین اکبری" کو تیموری دور کے ملکی، حربی، صنعتی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، خانگی، علمی اور مذہبی حالات و واقعات کا آئینہ سمجھنا چاہئے، اس کی دوسری مایہ ناز تصنیف "اکبر نامہ" ہے[2] جو ہندوستان کے تیموری سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ انشائے ابو الفضل کے نام سے اس کے خطوط کا مجموعہ اور دوسری تصنیفات ہیں، ۱۰۱۱ھ میں جہانگیر کے اشارہ سے بیر سنگھ دیو بندیلا نے اس کو قتل کر دیا، اکبر کو اس کا بڑا رنج ہوا اور اس نے آنسو بہائے۔

ڈاکٹر محمد باقر اپنے مضمون "ابو الفضل" مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھتے ہیں:۔

"ابو الفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصا دخل پیدا کیا، چنانچہ جب اکبر نے ۹۸۲ھ ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علماء کے مباحثے سننے کے لئے عبادت خانہ قائم کیا، تو ابو الفضل علماء کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرفداری کرتا، یہاں تک کہ اس نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علماء سے کہیں افضل اور برتر ہیں اور ۱۵۷۹ء میں دربار شاہی سے ایک محضر جاری کیا، اس کی رو سے مذہبی علماء کے اختلافات

---

[1] بزم تیموریہ ص ۱۶۳ [2] اکبر نامہ کے متعلق مشہور فرانسیسی فاضل کارا ڈی واکس لکھتا ہے کہ "وہ ایک ایسی علمی دستاویز ہے، جس پر مشرقی تمدن کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے، جن انسانوں کی ذہانتوں نے اس ضخیم کتاب کے ذریعہ اپنا تعارف کرایا ہے، وہ حکومت اور انتظام کے فن میں اپنے زمانہ سے بہت آگے معلوم ہوتے ہیں"۔
CARRA DE VAUX ; LES PENSEURS DE L'ISLAM — PARIS 1921

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتانے کے لئے آخری حکم اکبر کو بنا دیا گیا، عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی میں اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چرایا، اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی اسے ابوالفضل نے بھی قبول کیا۔[1]

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ابوالفضل کے ذہن و دماغ کی گہرائیوں میں جھانکنے میں مدد ملتی ہے، اور اسلام کے بارہ میں اس کے نفسیاتی و قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عبادت خانہ میں قرآن اور انجیل کے محاسن پر بحث نے ایک موقعہ پر کافی گرمی پیدا کر دی تھی، کیونکہ دونوں کتابوں کے ماننے والے اس پر مُصر تھے کہ انھیں کا صحیفہ آسمانی ہے اکبر نے شیخ قطب الدین نامی ایک مجذوب کو بلوا بھیجا، انھوں نے عیسائی پادریوں کو چیلنج کیا کہ آگ جلائی جائے، اور اس میں سے نکل کر اپنے صحیفہ کی حقانیت ثابت کی جائے، بدایونی کے مطابق آگ جلائی گئی، اور شیخ قطب الدین نے عیسائی پادری کا کوٹ پکڑ کر گھسیٹا اور کہا "آؤ، خدا کے نام پر اس میں داخل ہو" لیکن کسی پادری کی ہمت نہ ہوئی کہ اٹھ کر اس میں جلتا۔[2]

ابوالفضل نے اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"پادری رادلف (RUDOLF) نے جو علم و دانش میں یکتائے روزگار تھا، دانشمندانہ دلائل دیئے لیکن یہ جھوٹ بولنے والے متعصب بے ڈھنگے پن سے اس کا جواب دینے لگے، لیکن ان کے دلائل میں کوئی جان نہیں تھی، اس لئے رادلف کے مخالفین شرمندہ اور خجل ہو کر مباحثہ کا جواب دینے کے بجائے انجیل کو بُرا بھلا کہنے لگے، اس وقت رادلف نے انھیں آگ میں چل کر اپنی حقانیت کا ثبوت پیش کرنے کا چیلنج دیا، لیکن یہ بزدل اور سیاہ قلب ڈر گئے،

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۸۸۹-۸۹۰ [2] منتخب التواریخ، جلد دوم ص ۲۹۹

اور چیلنج کے جواب میں اپنے تعصّب اور کج بحثی کا مظاہرہ کرنے لگے، ان کی اس بزدلی سے اکبر کے انصاف پسند دل کو صدمہ پہونچا۔"[1]

دربار اکبری میں حاضر ہونے والے اٹلی کے پادری روڈلف اکویا (RUDOLF AQUAVIVA) کے ساتھ ایک اسپینی انطونی مانسریٹ (ANTONY MONSERRATE) اور ایک ایرانی فرانسیس ہنریکیس (FRANCIS HENRIQUEZ) جس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، بھی موجود تھے، مانسریٹ نے دربار اکبری سے متعلق اپنے تاثرات لیٹن زبان میں ایک کتاب (MONGOLICAE LEGATIONIS COMMENTARIUS) کی شکل میں مرتّب کئے تھے، ابھی وہ روڈلف کی بزدلی کی مدافعت کرتا ہے لیکن اس کا اقرار کرتا ہے کہ مسلمان عالم کی جانب سے ہی یہ چیلنج کیا گیا تھا، اور روڈلف نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا تھا کہ اس کا مطلب تو خدا کا امتحان لینا ہے، جو عیسائی مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے۔[2]

اس قصہ کو جس طرح ابوالفضل نے توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے، اور جس طرح وہ روڈلف کی حمایت کرتا ہے، اور جو زبان اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتا ہے، اس کی اسلام سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے بہت کافی ہے، اس کے جیسے ذہین اور طبّاع شخص کے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ بادشاہ کے دل میں شک و شبہ اور بے دینی کی چنگاری اس طرح روشن کر دے جو بھڑک کر اسے اسلام سے ہی منحرف کر دے۔

"مآثر الامراء" میں ہے کہ جنت مکانی یعنی جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ "شیخ ابوالفضل نے

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۵۵ [2] FATHER ANTONY MONSERRATE, MONGOLICAE LEGATIONIS COMMENTARIUS, TRANSL. J. S. HOLLAND AND S. N. BANERJI, OXFORD UNIVERSITY PRESS, 1922, pp. 39-42.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے والد کے یہ ذہن نشین کرا دیا تھا کہ جناب ختمی پناہ میں بڑی فصاحت تھی، قرآن انھیں کا کلام ہے، اس لئے جب وہ دکن سے آ رہا تھا تو میں نے بیر سنگھ دیو سے کہا کہ وہ اس کو قتل کر دے، اس کے بعد میرے والد اس عقیدہ سے باز آ گئے"۔[1]

خود ابوالفضل کی ایک عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے علم و ذہانت سے کام لے کر بادشاہ کی خواہشات کو علمی جامہ پہنانے اور اس کو علمی اسلحہ فراہم کرنے اور اکبر کو فرمانروائے سلطنت کی سطح سے امام زماں اور ہادیٔ دوراں کے منصبِ رفیع تک پہونچانے میں جو کردار ادا کیا تھا،[2] اس پر اس کا ضمیر مطمئن نہیں تھا، اور وہ کبھی کبھی اپنی زندگی و بیداری کا ثبوت دیتا تھا، وہ اپنے ایک خط میں جو اس نے خانخاناں کو لکھا ہے، اپنے بارہ میں لکھتا ہے:۔

"وشمۂ از آلام و اسقام ایں قصۂ پرغصہ کہ رقم سطور	اس دردناک کہانی کا ایک معمولی المیہ یہ ہے کہ
درہاویۂ مشاغل لایعنی منہمک شدہ از عبداللٰہی	راقم سطور مشاغل لایعنی کے جہنم میں پھنس کر بندۂ
بعید الطبعی در آمد، در شرف آں شدہ کہ عیاذاً باللہ	خدا کے مرتبہ سے گر کر بندۂ فطرت ہو گیا اور اس کے
از عبداللٰہی بعبد الدراہمی والدنانیری موصوف	قریب پہونچ گیا کہ خدا کی بندگی کے بجائے
گردد، در قید عبارت در آوردہ ماتم زدگی	بندۂ درہم و دینار کہا جانے لگے۔ وہ اس تحریر
خود را ظاہر سازد، داند کہ از تردد و محاربات	میں اپنا غم ظاہر کر رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ دنیا
ناقصانہ بے توزگانہ کہ در فطرت و طبیعت	میں گزرے ہوئے ان تینتالیس ۴۳ برسوں کی احقا

لہ ص۱۶۶، سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ "تزک جہانگیری" کے نولکشور ایڈیشن میں تو جہانگیر کا یہ بیان نہیں ہے، لیکن تزک جہانگیری کے اس انگریزی ترجمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جو میجر ڈیوڈ پرائس نے کیا تھا۔ ص۵۳-۵۴ (بزم تیموریہ ص۱۶۶) ٢ ابوالفضل اپنی تصنیفات میں اکبر کے لئے امام معصوم، خلیفۃ اللہ، واقف اسرارِ خفی وجلی اور قاسم ارزاق بندگانِ الٰہی کے جیسے مبالغہ آمیز الفاظ بے تکلف استعمال کرتا ہے اور ان خوارق وکرامات کی نسبت کرتا ہے جو اس کو مافوق الفطرت انسان ثابت کرتی ہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ مہابھارت فارسی)

درین سی و چہار سال دنیا خصوصاً درین دوازدہ	دوڑ دھوپ سے اور خصوصاً اس بارہ سالہ کشمکش
سال کہ در کشمکش ابنائے زمان افتادہ است نہ قدرت	سے جو ابنائے زمانہ کی صحبت میں رہی مجھ میں
شکیب و نہ قوت گریز و نہ طاقت پرہیز دارد	نہ طاقت صبر ہے نہ قوت گریز و پرہیز میں اس چیز کو
بعبارت در آوردہ اعلام آں استظہار الامی نماید	قید تحریر میں لا کر اس کا علانیہ اظہار کر رہا ہوں۔

صبرے نہ کہ از عشق بہ پرہیزم من   بختے نہ کہ با دوست در آمیزم من
دستے نہ کہ با قضا آویزم من   پائے نہ کہ از میانہ بگریزم من[1]

راجپوت رانیوں کا اثر

اکبر کے لئے ایک بڑی آزمائش کی بات اور اسلام سے اس کے مزاج کے منحرف ہونے کا ایک قوی سبب یہ تھا کہ اس نے استحکام سلطنت کے لئے راجپوت راجاؤں کے ساتھ رشتے ناطے کئے[2] اور ان کا اعلیٰ ترین مناصب پر تقرر کیا اور ان کا پورا اعتماد حاصل کرنے اور ان کو شیر و شکر کرنے کے لئے بہت سے ایسے کام کئے جو اس کے پیشرو سلاطین نے ابھی تک نہیں کئے تھے مثلاً ذبح گاؤ کی ممانعت، آفتاب کے رخ بیٹھ کر جھروکا درشن، ڈاڑھی منڈوانا، بھدرا کروانا، قشقہ لگوانا، ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر تمام ہندوانہ رسوم میں حصہ لینا، ان ہندو رانیوں کا اور ان کے واسطہ اور رشتہ سے ان کے بھائیوں اور عزیزوں کا اکبر پر خاصا اثر تھا، اور یہ بالکل قدرتی بات تھی، دین کے ایوان میں سب سے پہلا تزلزل جو واقع ہوا وہ اسی تعلق کا نتیجہ تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا، لیکن قریب کے ایک برہمن نے راتوں رات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا، جب مسلمانوں نے

لہ انشائے ابی الفضل دفتر دوم ص۱۰۲ (لکھنؤ ۱۸۸۳ء) ٢ مثلاً امبیر (جے پور) اور بیکانیر کے راجاؤں کی لڑکیوں سے شادی کی، بعض مورخین نے جودہ بائی کا بھی نام لیا ہے جو دھپور کی رانی تھی مگر اس میں اختلاف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، قاضی عبدالرحیم نے شیخ عبدالنبی صدر الصدورؒ کی عدالت میں مرافعہ کیا، شیخ عبدالنبی نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کیا، تحقیق سے واقعہ کی تصدیق ہوئی، اور صدر الصدورؒ نے سزائے موت کا حکم جاری کیا، لیکن وہ برہمن، رانی جودھ بائی کا پروہت تھا، رانی اکبر پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو سزا سے بچائے، بادشاہ عدالتی کارروائی میں مداخلت، اور صدر الصدورؒ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، صدر الصدورؒ نے سزا کا نفاذ کیا، لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا، اور بقول بدایونی :-

"دختران راجہائے عظیم ہند نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے ملاؤں کو ایسا سر چڑھالیا کہ وہ منشائے سلطانی کی بھی پروا نہیں کرتے، دربار میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتمِ رسول کی سزا موت نہیں ہے، اس لئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے"۔

محضرِ اجتہاد و امامت

اس واقعہ نے شیخ مبارک کو یہ موقعہ بھی فراہم کر دیا کہ وہ اکبر کو علمائے اسلام کی پیروی سے پیچھا چھڑانے کا طریقہ بتلا سکے، جب اکبر نے اس معاملہ میں اس کی رائے طلب کی تو اس نے جواب دیا "جہاں پناہ امام اور مجتہدِ وقت ہیں، انھیں اپنے فرمان کے اجراء میں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی کسی عالم دین کی مدد کی کیا ضرورت ہے؟"[1]

یہی موقعہ تھا جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا، جو اکبر اور اس کی مملکت کے رُخ کے پھیرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا، اور جو ذہنی و تہذیبی ارتداد کے پورے قصر کا صدر دروازہ کہا جا سکتا ہے،[2] اس محضر میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ :-

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۸۳ [2] اس محضر کا پورا متن منتخب التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۷۱-۲۷۲ طبقات اکبری صفحہ ۳۴۳-۳۴۴ میں ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۵ میں اس کا پورا عربی ترجمہ ہے۔

"خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے، اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معین کر دیں، اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ قطعی اور اجماعی قرار پائے گا، اور رعایا اور برایا کے لئے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی"۔

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۶ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا، بادشاہ کے ایماء پر تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے اور اس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا اور یہی اس سفر کا نقطۂ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے عناد و اختلاف پر جا کر مکمل ہوا۔

محضر پر ایک نظر

سلاطین وقت اور اصحاب اقتدار کی غیر مشروط تائید و حمایت، ان کی لغزشوں اور بے عنوانیوں کی توجیہ و تاویل اور ان کے احکام جائرہ (اور بعض اوقات اسلام کو صریح طور پر نقصان پہونچانے اور اس کو بدنام کرنے والے) غلط اقدامات اور منصوبوں کے لئے علمی دلائل اور فقہی و کلامی سندیں فراہم کرنے کی نظیروں سے مسلم سلطنتوں کی طویل تاریخ خالی نہیں علمائے وقت سے بارہا لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، اور انھوں نے (کسی اختیاری مصلحت یا کسی اضطراری ضرورت کی بناء پر) اپنے منصب و مقام کے خلاف کام کیا ہے، لیکن ایسے شاہانِ وقت کی پُشت پناہی بلکہ دین و شریعت کے خلاف منصوبہ بندی کے سلسلے میں اس محضر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کو شیخ مبارک نے اکبر کے لئے تیار کیا تھا مشکل سے نظیر ملے گی، اس میں ایک ایسے جواں[1] سال بادشاہ کو مجتہد سے اونچا درجہ دیا گیا ہے اور اس کو مجتہدین کے اختلافی مسائل میں ترجیح اور انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے اور اس کو اعدل و اعقل و اعلم باللہ مانا گیا ہے جو ناخواندۂ محض ہے، جس کی طبیعت میں پہلے سے بے قیدی اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی ہے، جس کا علمائے اسلام اور شارحین دین و شریعت پر سے اعتقاد و اعتماد اٹھ چکا ہے، اور اپنے گھر اور دربار کے ہندوانہ ماحول سے بشدت متأثر اور تیزی کے ساتھ ہندوانہ خیالات و رسوم و عادات کے اختیار کرنے کی طرف مائل ہے، جو مطلق العنان سلطنت اور کامل اختیارات کا مالک ہے، اس کا فائدہ صرف اہل ہوٰی و ہوس کو یا ان درباری علماء کو پہونچتا تھا جو بادشاہ کے نام سے اور اس کے احکام و فرامین کے پردہ میں آزادی و بے قیدی کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، شریعت اسلامی کو بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے تھے، یا اپنے پرانے دشمنوں یا حریفوں سے انتقام لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، شیخ مبارک جیسے ذہین و فطین انسان سے اس اقدام کے عواقب و نتائج مخفی نہیں رہ سکتے تھے اس لئے اس کی توجیہ بڑی مشکل ہے کہ اس محضر کے پیچھے کیا منصوبہ کام کر رہا تھا؟ ایک بالغ نظر مؤرخ جس کی اس طرح کے اقدامات کے نتائج و عواقب پر نظر ہے آج ملا مبارک کی روح کو مخاطب کر کے کہہ سکتا ہے ؎

فان کنتَ لاتدری فتلک مصیبۃٌ وان کنتَ تدری فالمصیبۃُ اعظمُ[2]

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال

اس محضر کے صدور اور ملا مبارک کی علمی پشت پناہی اور اس کے باکمال فرزندوں فیضی اور

[1] اس محضر کے صدور کے وقت اکبر کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ [2] اگر تم کو اس طرزِ عمل کا قدرتی نتیجہ معلوم نہیں تھا، تو یہ ایک افسوسناک بات ہے اور اگر معلوم تھا، اور تم نے دانستہ یہ کام کیا تو معاملہ اور زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز ہے۔

ابوالفضل کے دربار میں آنے جانے کے بعد مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور صدر الصدور مولانا عبدالنبی گنگوہی کا زوال شروع ہوگیا، مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو جو دربار کا یہ رنگ دیکھ کر خانہ نشین ہوگئے تھے، ایک دن زبردستی لایا گیا اور جوتوں کی صف میں بٹھایا گیا[1] مخدوم الملک کو حجاز جانے کا حکم ہوا، ۹۸۷ھ میں وہ حجاز گئے، وہاں کے اکابر علماء نے ان کا بڑا استقبال کیا اور استاذ العلماء شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی کی بڑی تعظیم سے پیش آئے، مکہ معظمہ میں تقریباً تین سال قیام کر کے وہ ہندوستان واپس ہوئے، لیکن گجرات پہونچے تھے کہ ان کو زہر دے دیا گیا، اور وہیں ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں انھوں نے انتقال کیا، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ زہر خورانی کا یہ عمل اشارۂ سلطانی سے ہوا، خوافی نے "مآثر الامراء" میں اس کی تصریح کی ہے[2]۔

شیخ عبدالنبی نے بھی حجاز کا قصد کیا، کچھ مدت وہاں قیام بھی کیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنا جاہ و جلال اور عہد رفتہ کی یاد بھولی نہ تھی، وہ ہندوستان آئے اور بادشاہ سے عفو و درگزر کی درخواست کی، ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کو حکم دیا کہ ان سے حساب فہمی کرے، راجہ نے ان کو محبوس کر لیا، اور ان سے سخت دار و گیر کی، اسی دار و گیر میں ان کا انتقال ہوگیا، لیکن "مآثر الامراء" میں ہے کہ بادشاہ نے ان کا معاملہ ابوالفضل کے سپرد کیا، اسی نے ان کو گلا گھونٹ کر مار دیا[3]۔

الف ثانی کی تیاری اور دین الٰہی کا اجراء

بادشاہ کو مجتہد مطلق، اور مطاع برحق بنا دینے کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ ظہور اسلام پر ایک ہزار سال گزر رہے ہیں، اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو رہا ہے، اس نئے ہزار سال سے

[1] منتخب التواریخ حصہ ۳ ص ۷۹-۸۳ [2] نزہۃ الخواطر جلد ۴ [3] ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا کی ایک نئی عمر شروع ہوگی، اس کے لئے ایک نیا دین، ایک نیا آئین، اور ایک نیا شارع اور نیا حاکم چاہئے، اور اس کے لئے اکبر جیسے صاحب تاج ونگیں اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں، ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ	بادشاہ کے ذہن میں چونکہ یہ بات
ہزار سال از زمانہ بعثت پیغمبر اسلام	راسخ ہوگئی تھی کہ پیغمبر اسلام کی بعثت
علیہ السلام کہ مدت بقاء ایں دین بود	کی مدت کے ہزار سال پورے ہو چکے
تمام شد و ہیچ مانع برائے اظہار دواعی	جو اس دین کی عمر طبعی ہے اور اب کوئی
خفیہ کہ در دل داشتند نماند۔[1]	مانع ان پوشیدہ دلی تقاضوں کے
	اظہار میں نہیں رہا۔

اس فیصلہ کے بعد وہ تمام تبدیلیاں شروع کردی گئیں جن سے یہ خیال مملکت میں عام اور پختہ ہو جائے، چنانچہ سکہ پر (جو ہر ایک کے ہاتھ میں جاتا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی اشتہار نہیں) الف کی تاریخ ثبت کردی گئی[2] تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے اور اس کو دو دوروں میں تقسیم کرنے کے لئے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا، اس میں سنین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا، لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ:۔

"اس صاحب زماں کا وقت آگیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا اور وہ بادشاہ کی ذات قدسی صفات ہے۔"[3]

اسی سے دین الٰہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا، جس میں توحید کے بجائے (عبادت آفتاب کی

۱؎ منتخب التواریخ ص۳۰۱ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ص۲۷۹

شکل میں) شرک صریح، کواکب پرستی، ایمان بالبعث کے بجائے عقیدۂ تناسخ تھا، اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا، اس میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا جس میں کہا جاتا تھا کہ:۔

"میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا اور دیکھا تھا علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں، اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں، یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔"[1]

اس دین میں سود، جوئے اور شراب اور لحم خنزیر کی حلت تھی، اور ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت قانون نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کردیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کردی گئی تھی، اور اس کے لئے قانون بنادیا گیا تھا، تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کردی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی، جس میں فطرت انسانی کے قانون قدیم کے مطابق اس دین اور طریقۂ زندگی کا پلڑا جھکا ہوا تھا جس کی طرف طبعی میلان اور تسکین نفس کا سامان تھا، اور خارجی وملی وسیاسی مصالح اس کی ترجیح کے حق میں تھے۔[2]

۱؎ منتخب التواریخ ص۲۷۳ ۲؎ اس رواداری اور صلح کل تحریک یا نئے دین و آئین میں اسلام اور ہندو مذہب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ قائم نہیں رہ سکا، قدرتاً اس مذہب اور فرقہ کا پلڑا جھک گیا جس کا دربار میں رسوخ اور طبیعت میں رجحان تھا، مختصر تاریخ ہند کے مصنفین، ڈبلیو، ایچ، مورلینڈ اور اے، سی، چٹرجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ "اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے گاؤکشی بھی بند کردی تھی اور اس کے اس حکم کی (باقی ص۱۰۸ پر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطۂ عروج

اکبر کا یہ دینی و مزاجی انحراف و اختلال کس نقطہ تک پہونچ گیا تھا اس کے لئے ہم سب سے پہلے اکبر کے عقل کُل اور نفس ناطقہ ابوالفضل علامی کے اقتباسات پیش کریں گے، یہ اس ہمہ گیر تبدیلی اور انحراف کی متفرق کڑیاں ہیں، جو ابوالفضل کے بیانات میں پائی جاتی ہیں، ان کو جمع کر کے اس زنجیر آتشیں کا کچھ تصور کیا جا سکتا ہے، جو اس وقت اسلام کے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔ ع

تو خود حدیث مفصّل بخواں ازیں مجمل

آتش پرستی

گیہان فروز روشن دل، نور دوستی را ایزد پرستی شمارد، و ستائش الٰہی اندیشد، نادان تیرہ خاطر داور فراموشی و آذر پرستی خیال کند۔[1]

جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے روشنی کو بیحد عزیز رکھتے ہیں، اور اس کی تعظیم و تکریم کو خدا پرستی اور ستائش الٰہی خیال فرماتے ہیں، نادان کور باطن اس کو خدا فراموشی و آتش پرستی کہتے ہیں۔

(بانی مذہب کا) خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں، اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے، اس کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی۔

A SHORT HISTORY OF INDIA. کا اردو ترجمہ از مولانا محمد یوسف کوکن صفحہ ۲۵۱

[1] آئین اکبری جلد ۱ صفحہ ۲۸ (طبع لکھنؤ ۱۸۸۲ء)

وچوں روشنی بخش جہاں، نور خویش برگیرد خدمت گزاران سعادت گرائے در دوازدہ لگن ہائے زرین و سیمین کافوری شمعہا افروختہ در پیشگاہ حضور آورند و یکے از سرایندگان شیوہ زبان شمع در دست ایزدی سپاس برگزارد و بگوناگوں نمط سراید و بپیں دعائے دولت روز افزوں برخواند۔[1]

آفتاب کے غروب ہونے کے بعد خدمت گزار بارہ کافوری شمعیں روشن کرتے ہیں، ـــــ اور ہر چراغ چاندی اور سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک شیریں زبان، خوش گلو خادم شمع کو ہاتھ میں لئے مختلف دلکش سروں میں خدا کی حمد کے اشعار گاتا ہے اور آخر میں خود جہاں پناہ کے ازدیاد عمر و دولت کی دعا کرتا ہے۔

آفتاب پرستی

دو آشیانہ منزل ایزد پرستش دریں نزہت کدہ شود، دنیایش خورشید والا ازیں جایش آغاز باشد۔[2] می فرمودند خورشید والا را بفرمانروایان عنایت ست خاص وازیں رونیایشگری بدو نمایند والٰہی پرستش برشمرند و کوتاہ بین در بدگمانی در افتد۔

دو آشیانہ منزل نام کی عمارت میں ایزد پرستی ہوتی تھی اور یہیں سے آفتاب کی تعظیم کی ابتدا ہوتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے حال پر ایک خاص عنایت ہے اسی وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت خیال کی جاتی ہے، لیکن کوتاہ بیں شخص

---

[1] ج ۱ ص ۲۹ [2] ج ۱ ص ۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

می فرمودند عامہ بنجیال نفع چگونہ خواستہ داران (مالداران) سیہ دروں را بزرگ دارند و از نابینائی در احترام این چشمۂ نور کوتہی رود و بر بنیایشگر زبان پیغارہ (طعن) برکشایند اگر خرد را آفتے نرسیدہ سورۂ والشمس چرا از یاد رفت۔[1]

بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عوام کس لئے سیہ دل دولتمندوں کی اپنے نفع کی غرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے اس چشمۂ نور کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر طعنہ زنی کرتے ہیں، اگر خود ان کی عقل پر آفت نہ آگئی ہے تو سورۂ والشمس کیوں فراموش کر دی گئی ہے۔

گنگا جل

درسفر و حضر آب گنگ برآشامد و چندے از راستان سعادت گرائے بر ساحل آن باشند باحتیاط برگیرند و کوزہ ہا سربمہر آید۔ در آں ہنگام کہ مرکب اقبال در دارالخلافت آگرہ و فتحپور بود، از قصبۂ سوروں می آوردند امروز کہ عرصۂ پنجاب بقدوم شاہنشاہی آرامگاہ، از ہردواری آرند

بادشاہ سفر و حضر ہر وقت گنگا کا پانی نوش فرماتے ہیں معتمد ملازمین کا ایک گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو سربمہر کوزوں میں پانی بھر کر لاتا ہے۔ جب جہاں پناہ آگرہ اور فتحپور میں قیام فرماتے ہیں تو قصبہ سوروں سے پانی لایا جاتا تھا، اس زمانہ میں جب کہ شاہی خیمہ لاہور میں نصب ہے ہردوار

[1] ج ۳ ص ۱۸۳

و در خورش پختن آب جمنا و چناب و آب باران بخرج رود و لختے از (گنگا) نیز برآمیزند۔[1]

کے عمدہ پانی سے آبدار خانہ سیراب ہے باورچی خانہ میں جمنا اور چناب کا پانی یا آب باراں صرف ہوتا ہے لیکن ان میں تھوڑا پانی گنگا کا ملایا جاتا ہے۔

تصویر کشی

بر قدسی زبان رفت آنکہ برخے نکوہش این پیشہ نمایند دل برنتابد و بخاطر چناں رسد کہ در خداشناسی افزوں تر از بسیارے بود چہ ہرگاہ جانور نگارد و عضو عضو برکشد و از آنکہ روحانی پیوند نیارد داد بہ نیرنگی جاں آفریں گراید و شناسائی اندوزد۔[2]

ایک روز قبلۂ عالم نے خلوت کدے میں جہاں صرف مریدان سعادتمند کا مجمع تھا، فرمایا کہ ایک گروہ فن تصویر کشی کا دشمن ہے اور اس پیشے کے معائب بیان کرتا ہے لیکن اس کے اقوال و دلائل کو دل قبول نہیں کرتا بلکہ قرین قیاس و عقل یہ ہے کہ مصور اکثر طبقات انسانی سے زیادہ خداشناس ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ شخص جانور کی تصویر اتارنے میں اس کے ہر عضو کی شبیہ کھینچتا ہے اور تصویر کو تمام کر کے جب دیکھتا ہے کہ باوجود اس ظاہری سحر نگاری کے وہ اس میں

[1] آئین اکبری ج ۱ ص ۳۳
[2] ج ۱ ص ۷۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کو
خالق مطلق کی قدرت کاملہ کا اندازہ
ہوتا ہے اور صانع باکمال کے آگے
سر بسجدہ ہو جاتا ہے۔

اوقات عبادت

سحرگاہ کہ دیباچۂ بہروزی و عنفوان
نور پاشی است و نیمۂ روز کہ فروغ آفتاب
عالمتاب جہاں را در گیرد و سرمایۂ نشاط
گوناگوں فروغ آید و شامگاہ مابہ دہ
روشنیہا از چشم خاکیاں پنہاں شود۔[1]

صبح جو مبارک دن کا آغاز اور نور پاشی
کی ابتدا ہے، دوپہر جبکہ آفتاب عالمتاب
کی روشنی تمام عالم کو محیط ہوتی ہے اور
لوگوں میں گوناگوں نشاط پیدا ہو جاتا
ہے اور شام جبکہ سرچشمہ روشنی (آفتاب)
لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

سجدۂ تعظیمی

بندگان ارادت گرائے سجود نیایش
افزایند و آنرا سجدۂ ایزدی برشمارند۔[2]

بندگان عقیدتمند سجدۂ تعظیمی کرتے
اور اسے سجدۂ ایزدی شمار کرتے ہیں۔

بیعت و ارشاد

جویائے آگہی دستار برکف سر نقدسی

جویائے آگہی ہاتھ میں دستار لے کر

[1] ج ا ص ۱۰۵ [2] ج ا ص ۱۰۷

پائے برنہد و بزبان حال چناں سراید
کہ بیاوری بخت بیدار و رہنمونی
ستارہ خود آرائی و خویشتن گزینی کہ بنگاہ
گوناگوں گزند بود از سر افگندہ روئے
دل بہ نیایش گری آوردم۔[1] الخ

سر کو پائے اقدس پر رکھتا اور زبان حال
سے اس طرح کہتا ہے کہ بخت بیدار
کی یاوری اور ستارۂ خود آرائی و خویشتن
گزینی کی رہنمائی میں (جو گوناگوں
نقصانات کا سبب تھا) میں دل کی
توجہ بادشاہ کی اطاعت کی طرف
مبذول کرتا ہوں۔ الخ

آداب ملاقات

ہنگام دیدار ہم یکے اللہ اکبر آید و
دیگرے جل جلالہ سراید۔[2]

ملاقات کے وقت ایک آدمی اللہ اکبر
کہتا اور دوسرا جل جلالہ کہتا ہے۔

تاریخ ہجری سے تنفر

از دیر باز سریر آرائے اقبال براں
بود کہ در آباد بوم ہندوستان تازہ سال
و مہ برئے کار آید و دشواری بآسانی
گراید و نیز از تاریخ ہجری کہ از ناکامی
آگہی بخشد سر گرانی داشتند لیکن

عرصۂ دراز سے قبلۂ عالم کا ارادہ تھا کہ ملک
ہندوستان میں جدید سال و ماہ جاری
فرما کر دقتیں رفع کریں اور سہولتیں بہم پہنچائیں
جہاں پناہ سنہ ہجری کو بوجہ اس کے کہ
وہ ناکامی کی خبر دیتا ہے پسند نہیں فرماتے

[1] ج ا ص ۱۱۰ [2] ج ا ص ۱۱۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از انبوہ کوتاہ بینان کارنشناس کہ روائیٔ تاریخ را ناگزیر دین پندارند، شاہنشاہ مدارا پژوہ پیوند دلہا گرامی شمردہ اندیشہ بیروں نمی فرستاد۔[1]

لیکن ناعاقبت اندیش و کم فہم افراد کی کثرت کی وجہ سے جو تاریخ و سنہ کے اجراء کو بھی ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں، حضرت کی خاطر پرور طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ اس گروہ کی دل شکنی فرمائیں اور یہی وجہ تھی کہ قبلۂ عالم ابتداء میں اپنے خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

غیر اسلامی تہوار اور عیدین

و در لوازم جشن نوروزی و عیدہا اہتمام نمایند، عید بزرگ نوروز است کہ ابتدائے آں در وقت تحویل نیّر نور بخش عالم در برج حمل است و آغاز ماہ فروردین است عید دیگر نوزدہم ماہ مذکور کہ روز شرف است و عید دیگر سوم ماہ اردی بہشت، و عید دیگر ششم ماہ خرداد عید دیگر

جشن نوروز اور عید کے لوازم میں اہتمام کرتے ہیں، سب سے بڑی عید نوروز ہے، کیونکہ اس کی ابتدا اُس وقت ہوتی ہے، جب نیّر نور بخش عالم (آفتاب) برج حمل میں داخل ہوتا ہے، اور ماہ فروردین کا آغاز ہوتا ہے ایک عید اسی مہینے کی ۱۹ تاریخ کو ہوتی ہے جو "شرف" کا دن ہے،

[1] ج ۱ ص ۱۹۳

سیزدہم ماہ تیر است، عید دیگر ہفتم ماہ مرداد است، عید دیگر چہاردہم ماہ شہریور است، عید دیگر شانزدہم ماہ مہر است عید دیگر دہم ماہ آبان است، عید دیگر نہم ماہ آذر است، و در دی ماہ سہ عید است ہشتم و پانزدہم و بست و سوم، عید دیگر دوم ماہ بہمن است، عید دیگر پنجم ماہ اسفندار است، و عیدہائے متعارف را بدستور مکردہ باشد، و شب نوروز و شب شرف بطریق شب برأت چراغاں کنند در اول شبے کہ صباح آں عید باشد نقارہ نوازند و روزہائے عید بر سر ہر شہر نقارہ نوازند۔[1]

ایک عید ماہ اردی بہشت کی تیسری تاریخ کو ایک عید ماہ خرداد کی چھٹی تاریخ کو ایک عید ماہ تیر کی تیرہ تاریخ کو، ایک ماہ مرداد کی سترہ تاریخ کو، ایک عید ماہ شہریور کی چودہ تاریخ کو، ایک عید ماہ مہر کی سولہ تاریخ کو، ایک عید ماہ آبان کی دس تاریخ کو اور ایک عید ماہ آذر کی نو تاریخ کو ہوتی ہے، ماہ دے میں تین عیدیں ہیں آٹھویں تاریخ کو پندرھویں تاریخ کو اور تیئیس تاریخ کو ایک عید ماہ بہمن کی دوسری تاریخ کو اور ایک عید ماہ اسفندار کی پانچویں تاریخ کو ہوتی ہے دستور کے مطابق مشہور عیدیں مناتے ہیں۔ نوروز اور شرف کی راتوں کو شب برأت کی طرح چراغاں کرتے ہیں، اُس رات کو جس کی صبح عید ہوتی ہے نقارہ بجواتے ہیں اور عیدوں کے دنوں میں ہر شہر میں نقارے بجاتے ہیں

ان ایام میں جشن منعقد ہوتا ہے، اور ہر جشن میں انواع و اقسام کی زیب و زینت و

[1] ص ۶۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرائش کی جاتی ہے، حاضرین فرطِ مسرت سے بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے نشاط بلند کرتے ہیں۔ ہر پہر کے آغاز پر نقارہ نوازی ہوتی ہے اور اربابِ نشاط اپنی نغمہ سرائی اور اپنے ساز سے ہنگامۂ عیش برپا کرتے ہیں۔

فرمان در منع زکوٰۃ

متصدیان حال و استقبال، و کارفرمایان کل و جزءِ ممالک محروسہ بدانند کہ دریں ہنگام سعادت انتظام کہ از ابتدائے جلوس براورنگ جہاں بانی کہ سنہ سابع ست از قرن ثانی (دی سال سی و ہفتم، چہ مراد از قرن دریں جا سی سال است) و آغاز ابتسام بہار دولت و اقبال و زمان انکشاف صبح جلال و جمال است، فرمان عدالت منشور افاضت بنیان بارقۂ بروز و اشعۂ ظہور یافت کہ چوں ناموس اکبر و قانون اعظم سلطنت کہ ابد پیوند الٰہی جل جلال قدسہ بمقتضائے حکمت بالغۂ ازلی کہ

ملازمانِ حال و استقبال اور ممالک محروسہ کے کارپردازوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس دورِ سعادت میں جس کی ابتدا سن جلوس سے ہے، اور جو قرن ثانی کا ساتواں سال ہے (یعنی ۳۷ سنہ کیونکہ قرن سے یہاں تیس ۳۰ سال مراد ہیں) اور جو بہار دولت و اقبال اور صبح جلال و جمال کے ظہور کا عہد ہے یہ فرمان صادر ہوا، کہ سلطنت کی حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ حکومت و سیاست جو مقیم و مہاجر اور ملازم و تاجر طبقہ کے مفاد کی حفاظت کا نام ہے، اور جو خراج کا ایک ذریعہ ہے، جس پر نظام عساکر کا مدار ہے،

سلسلہ جنبان دار و گیر عالم ایجاد و تعبیہ پرواز کن فیکون دائرۂ کون و فساد ست چناں اقتضا کردہ کہ ریاست ممالک و سیاست مدن کہ عبارت ست از ارتباط احوال مقیم و مہاجر و انتساق مصالح کاسب و تاجر بدستیاری پادشاہان عادل و دیدبانی شہریاران دریادل جلوہ نما و صورت پذیر باشد و یکے از وجوہ خراج کہ مدار علیہ نظام عساکر نصرت و جنود اقبال کہ حارسان اعمار و اموال، و حافظان عقائد و احوال خلائق اند باج اشیاست کہ در بازار بیع و شراء و چارسوئے چوں و چرا در آمدہ کہ اگر سنجیدہ میزان اعتدال ارباب صیانت و دیانت کہ نقادان نقود و اجناس کونی الٰہی و مقومان اعراض نفسی و آفاقی اند گردد، ہر آئینہ جمیع مصالح بمفاسد انجامد، تمامی محامد بذمائم کشد للہ الحمد کہ از مبادی احوال نصفت

جو جان و مال اور عقائد کی حفاظت اور بازاروں کی نگرانی کرتے ہیں، اگر ان اصحاب امانت و دیانت کی میزان غلط ہو جائے جو نقد و جنس کے پرکھنے والے ہیں، تو تمام مصالح مفاسد سے اور اچھائیاں برائیوں سے بدل جائیں، الحمد للہ کہ شروع ہی سے ما بدولت کی توجہ رفاہِ عام اور رعایا کی پرورش کی طرف رہی ہے، جو بادشاہ کی اولاد معنوی اور امانت خداوندی ہیں، المنۃ للہ کہ ہندوستان اور دیگر ممالک محروسہ عدل و خوشحالی کا گہوارہ اور مسافران عالم کی فرودگاہ ہیں۔

حال ہی میں مراحم خسروانہ سے یہ حکم صادر ہوا کہ اصناف غلہ و نباتات، غذائیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتمال ہمگی توجہ خاطر عدالت مناظر وتدبیر
باطن جلادت مواطن مادر رفاہیت عموم
بریت ومراسم تربیت خصوصی رعیت کہ
فی الحقیقت فرزندان معنوی وودائع
خداوندی اند معروف بودہ المنۃ للہ کہ
باضاءت لوامع عدالت سواد اعظم ہندوستان
ست، ودیگر ممالک محروسہ منہل اصناف
ناز ونعیم ومامن مسافران ہفت اقلیم ست،
درینولا بموجب توسعۂ مراحم ذاتی وتکملۂ
مکارم فکری حکم نافذ وامر جازم شرف
اصدار وعزت ایراد یافت کہ از اصناف
حبوبات وغلات ونباتات از اغذیہ و
ادویہ وروغن ونمک ومشک واقسام عطریات
کرپاس وپنبہ واسباب پشمینہ وادوات
چرمینہ وآلات مسیہ وظروف چوب وہیمہ
ونے وکاہ ودیگر اشیا واسباب وامتعہ و
اجناس کہ مدار معاش جمہور انام وملاک
معیشت خواص وعوام است سوائے
اسپ وفیل وشتر وگوسفند وبز واسلحہ

دوائیں، نمک ومشک، اقسام
عطریات، کپڑے اور روئی،
اسباب پشمینہ، چرمی سامان
وتانبہ اور لکڑی کے ظروف،
بانس اور گھانس، اور دیگر اشیأ
واجناس سے کہ مدار زندگی ہیں،
سوائے ہاتھی، گھوڑے،
اونٹ، بکری، اسلحہ اور ضروری
سامان کے (جو پہلے سے مستثنیٰ
ہیں) تمام ممالک محروسہ میں
زکوٰۃ اور چھوٹے بڑے تمام
ٹیکس معاف کئے جاتے ہیں۔

قماش کہ در تمامی ممالک محروسہ تمغا و باج
وزکوٰۃ وصد یک وآنچہ از قلیل وکثیر
می گرفتہ اند معاف ومرفوع القلم
بودہ باشد[1]۔

ہندو موحد ہیں

روشن شد کہ آنچہ زبان زد روزگار است
کہ ہندوان ایزد بے ہمال را انباز گیرد فروغ
راستی ندارد، اگرچہ در برخے مطالب
ونختے دلائل جائے آویزش لیکن خداپرستی
ووحدت گزینی ایں طائفہ دلنشین آمد[2]

ہم پر روشن ہوا کہ یہ جو بات زبان زد
عام ہے کہ ہندو خدائے واحد کا شریک
ٹھہراتے ہیں صحیح نہیں، اگرچہ بہت سی
باتیں اور دلیلیں قابل اعتراض ہیں،
لیکن اس قوم کی وحدت گزینی اور
خداپرستی کا یقین ہے۔

گوشت خوری

می فرمودند اگر دشوار زندگی بخاطر
نیامدے مردم را از گوشت خوردن
باز داشتے، وآنکہ خود بیک بارگی نمی
گزاریم از آل ست کہ بسیارے کام ناکام

فرماتے ہیں کہ اگر دشوار زندگی میرے
ذہن نشین نہ ہو جاتی تو میں انسانوں کے
گوشت خوری سے مانع ہوتا اور میں
اس لحاظ سے اس پر یکبارگی عمل کرنا

[1] طبقات اکبری ص ۶۷-۶۸ [2] آئین اکبری ج ۳ ص ۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہد گذاشت و بہ تنگنائے غم کالیوہ (دیوانہ) خواہند شد.....

نہیں چاہتا کہ بہت سے کام ناتمام رہ جائیں گے اور انسان اس سخت غم میں دیوانے ہو جائیں گے۔

می فرمودند قصاب و ماہی گیر و مانند آں جز جان شکاری پیشہ ندارند بنگاہ ایناں از دیگر مردم جدا باشد و از آمیزندہ تاوان گیرند[1]

فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور مثل ان کے دیگر اشخاص جن کا پیشہ جان شکنی ہے، ان کی قیام گاہ کو عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے اور ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے

خنزیر

می فرمودند اگر سرمایۂ حرمت خوک بے غیرتی باشد بایستے شیر و مانند آں حلال بودے[2]۔

فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث اس کی بے غیرتی ہے تو لازم ہے کہ شیر یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں

شراب نوشی

در جشن ایں ماہ بادۂ ہوش فزا می پیمودند میر صدر جہاں مفتی، میر عدل، میر عبدالحی، نیز ساغرے درکشید گیتی خدیو را ایں بیت بر زبان رفتہ ؎

اس ماہ کے جشن میں بادۂ ہوش افزا نوش فرماتے تھے میر صدر جہاں مفتی، میر عدل اور میر عبدالحی نے بھی بادہ پیمائی کی اور بادشاہ کی زبان پر یہ شعر آیا ؎

[1] آئین اکبری ج ۳ ص ۱۸۹ [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۸۶

در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش
قاضی قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش[1]

رسم ہندوانہ

مادر خان اعظم مرزا کوکہ بسخت رنجوری درگذشت و جہاں سالار از غم در گرفت در سوگواری موئے سر و بروت ستردند ہر چند کوشش رفت کہ جز فرزندان آں ہمین بانو دیگر سترد بندگان اخلاص سرشت پیروی کردند[2]۔

والدہ خان اعظم مرزا کوکہ سخت بیماری کے سبب چل بسیں اور جہاں پناہ کو ایسا غم ہوا کہ سوگواری میں سر اور مونچھیں منڈوا دیں، ہر چند کوشش ہوئی کہ سوا اس مرحومہ کے بڑے فرزندوں کے کوئی بال نہ منڈائے مگر بندگان مخلص نے بادشاہ کی پیروی کی۔

سنین الٰہی کا اجراء

۹۹۲ھ میں شاہنشاہی تنویر عقل و دانش نے علم و کمال کی وہ نورانی شمع جلائی جس نے اپنی بابرکت روشنی سے تمام عالم کو تاباں و درخشاں کر دیا، خوش نصیب و حق پسند گروہ نے بالین ناکامی سے سر اٹھایا، اور بیہودہ گو، سست رائے افراد نے گوشۂ گمنامی میں منہ چھپایا، قبلہ عالم کے نیک ارادہ نے عملی جامہ پہنا اور یادگار حکماء میر فتح اللہ شیرازی نے اس کام کو انجام دینے پر کمر ہمت باندھی، علامہ شیرازی نے جدید زیج گورگانی کو پیش نظر رکھ کر جہاں پناہ کے سال جلوس

[1] آئین اکبری ج ۳ ص ۲۰۶ (اردو) [2] اکبر نامہ، ج ۳ ص ۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سنہ الٰہی کی ابتدا قرار دی گئی[1]۔

ان بنیادی حقائق کے بعد جن سے اکبر کے دینی فکر کا پورا ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، اب کوئی حرج نہیں کہ ہم ملا عبدالقادر بدایونی کی دی ہوئی بعض تفصیلات و جزئیات سے اس ڈھانچہ کو اور مکمل و مشکل کر دیں، اور دین اسلام سے انحراف نے اسلام اور صاحبِ شریعت اسلامیہ سے جو بُعد و وحشت بلکہ تنفر و عناد پیدا کر دیا تھا، اس کا صحیح نقشہ بھی لوگوں کے سامنے آسکے۔

دین اسلامی کی تحقیر

ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث و واضع آں فقراء عربان بودند کہ جملہ مفسداں و قطاع الطریق، و آں دو بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بطریق نقل آوردہ تمسک می ساختند۔

ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و بدعقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا اور اس کے بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جن میں سے سب مفسد اور راہزن تھے اور شاہنامۂ فردوسی کے دو مشہور شعروں سے سند پکڑی گئی جو اس نے بطور نقل کہے تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید ست کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو باد بر چرخ گرداں تفو[2]

۱۔ آئین اکبری ج ۱ ص ۵۶۴ (اردو ترجمہ فدا علی طالب حیدر آباد ۱۹۳۸ء)
۲۔ منتخب التواریخ ص ۳۰۷

اسراء و معراج کا استہزاء

ایں معنی را عقل چگونہ قبول کند کہ شخصے در یک لحظہ باگرانی جسم از خواب باسماں رود و نود ہزار سخن گو مگوئے باخدائے تعالے کند و بسترش ہنوز گرم باشد، و مردم بآں دعوی بگرایند ہم چنیں شق قمر و امثال آں۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمان پر چلا جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کی نوے ہزار باتیں کرتا ہے لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ کو مان لیتے ہیں، اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کرکے سوال کرتا ہے۔

ممکن نیست کہ تا پائے دیگر بر جا ماند استادہ توانیم ایں چہ حکایتہاست؟[1]

ناممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے ٹھکانہ ہو میں کھڑا نہیں ہو سکتا آخر یہ ہیں کیا قصے؟

مقام نبوت کی اہانت

زدن قافلہ قریش در اوائل ہجرت و چہاردہ زن خواستن و تحریم شہد کردن

یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا

۱۔ منتخب التواریخ ص ۳۱۷ جلد سوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائے خوشنودی زناں[1]

اور بیویوں کی رضامندی کے لئے شہد کو حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرنا تھا)

اسمائے نبوی سے وحشت و گرانی

نام احمد و محمد و مصطفٰے و امثال آں بہ جہت کافراں بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بہ مرور ایام اسامی چند را از مقرباں کہ بایں نام مسمٰی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد محمد خاں را رحمت می خواندند و می نوشتند[2]

احمد و محمد و مصطفٰے وغیرہ نام بیرونی کافروں کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے بادشاہ پر گراں گزرنے لگے آخر کچھ دن کے بعد اپنے خاص لوگوں کے نام ـــــ بدل بھی ڈالے مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا، اور لکھنے کے وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا تھا۔

نماز کی عدم اجازت

در دیوان خانہ ہیچ کسے یارائے آں نداشت کہ علانیہ ادائے صلاۃ کند[3]

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

نماز و روزہ و حج پیش ازاں ساقط

نماز و روزہ اور حج تو اس سے پہلے

[1] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۰۸ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۱۴ [3] ایضاً ص ۳۱۵ ج ۲

شدہ بود[1]

ہی ساقط ہو چکے تھے۔

ارکان اسلام کی توہین و استہزاء

پسر ملا مبارک شاگرد ابو الفضل رسائل در باب قدح و تمسخر ایں عبادات بہ دلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث ترتیب گشت[2]

ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور تمسخر کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کئے (شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ

غرض یہ کہ اس وقت ہندوستان جس میں دین فطرت کے شجرۂ طیبہ کے نصب اور بار آور کرنے کے لئے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں اور اہل قلوب اور اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں، ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ رہا تھا جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی

[1] ایضاً ص ۲۵۱ [2] ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودہویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا لیکن۔ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

ہم اس باب کو سیرت نگار نبوی اور مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ کی اس بلیغ عبارت پر ختم کرتے ہیں جو انھوں نے "ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافر اسلام" کی داستانِ سفر سناتے ہوئے لکھی ہے:۔

"اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے، اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزاروں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی اب وقت ہے کہ ایک شاہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہوکر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے برہمنوں نے بت آراستہ کئے، اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بےمیل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو "دبستان مذاہب" کا مطالعہ کرے، کتنے زنارداروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زنار نظر آئیں گے! بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدہ میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی:۔

اللہ اکبر۔ تعالیٰ شانہٗ

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی: "راستہ صاف کرو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے" ایک فاروقی مجدد، فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی تھے۔"[1]

---

[1] مقدمہ سیرت سید احمد شہیدؒ ص۳۰-۳۱۔

باب سوم[۳]

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حالاتِ زندگی، از ولادت تا خلافت

خاندان

حضرت مجدد صاحب نسباً فاروقی ہیں[1]، آپ کا سلسلۂ نسب[2] ۳۱ واسطوں سے

---

[1] حضرت مجدد کو حضرت فاروق اعظم سے اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی نتیجہ سمجھتے تھے، جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک عارف شیخ عبدالکبیر یمنی کی ایک تحقیق کو سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں "مخدوما! ایں فقیر را تاب استماع امثال ایں سخناں نیست، بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید" مکتوب ۱۰۰ (دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری) ایک دوسرے مکتوب میں یہ سن کر کہ قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کر دیا تحریر فرمایا "چوں استماع ایں خبر وحشت انگیز در شورش آورد و رگ فاروقیم را حرکت داد، بچند کلمات اقدام نمود۔" (مکتوب نمبر ۱۵ حصۂ ششم دفتر دوم)

[2] سلسلۂ نسب کے بارے میں ہم نے اسی خاندان والاشان کے ذی علم و صاحب تحقیق فرزند مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی اس محققانہ بحث پر اعتماد کیا ہے، جو انھوں نے مجدد صاحب کے سلسلۂ نسب کے بارے میں اپنی تصنیف "مقامات خیر" میں "حضرات آباء و اجداد کرام" کے عنوان سے (ص ۲۶-۳۳ میں) کی ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ اٹھائیسویں (باقی ص ۱۳۵ پر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیرالمؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر الفاروق رضؓ۔

آپ کے پندرہویں جد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی، اس سلسلہ کے نامور جد امجد اور مورث اعلیٰ ہیں، ہندوستان کے اکثر باکمال اور شہرۂ آفاق فاروقی النسب فضلاء اور مصلحین مشائخ واصحاب سلسلہ مثلاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر وغیرہ آپ ہی کے سلسلۂ نسب میں ہیں، افسوس ہے کہ افغانستان کے علماء و مشائخ کے حالات میں کسی مبسوط تذکرہ اور کتب طبقات کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، ان کے جو کچھ حالات ملتے ہیں، ان کا ماخذ وہی کتابیں ہیں جو مجدد صاحب اور ان کے خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہیں[1]، موصوف

(باقی ص۱۲۷ کا) واسطہ عمر کے بعد جس کو امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب سمجھا گیا ہے چار واسطے عام طور سے کتب انساب میں ساقط ہو گئے، اور وہ حفص، عاصم، حضرت عبداللہ اور حضرت عمر الفاروق ہیں، غالباً ستائیسویں واسطہ عبداللہ کے بعد عمر کا نام دیکھ کر مصنفین کو مغالطہ ہوا کہ یہی مشہور عبداللہ بن عمر صحابی بن صحابی ہیں، لیکن چونکہ ان عبداللہ بن عمر کے کسی فرزند کا نام ناصر نہ تھا، اس لئے یہ اشکال پیدا ہوا، اور تحقیق کی ضرورت سمجھی گئی، اس خاندان کے ایک بڑے باخبر ومحقق بزرگ شاہ محمد حسن مجددی (سائیں داد سندھ) اور محمود احمد صاحب عباسی کی بھی یہی تحقیق ہے اور احمد حسین خان نے "جواہر معصومی" میں بھی یہی لکھا ہے۔ [1] مثلاً زبدۃ المقامات حضرات القدس وغیرہ۔

شیخ نور الدین کے صاحبزادہ اور شیخ نصیر الدین کے پوتے تھے، اسی لئے ان کے خاندان کو بھی کابل کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، وہ اوصاف محمودہ سے متصف تھے، اسلام کی اشاعت وترویج اور شعائر کفر وشرک کی اہانت وتذلیل میں خاص امتیاز اور خصوصی ذوق رکھتے تھے[1]۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے اور افغانوں اور مغلوں کے تنازعات ختم کرنے میں انھوں نے سعی محمود فرمائی، دنیاوی وجاہت وسیادت کے ساتھ دولت باطنی سے بھی حصۂ وافر رکھتے تھے، ایک کثیر تعداد نے آپ سے اکتساب فیض کیا، وفات سے پیشتر زمام حکومت صاحبزادۂ والا قدر شیخ یوسف کے حوالہ کر کے ایک درہ میں جو آپ کی نسبت سے درۂ فرخ شاہ کہلاتا ہے، اور کابل سے ساٹھ میل مسافت پر جانب شمال واقع ہے، عزلت وانزوا کی زندگی اختیار کی، اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

شیخ یوسف نے تحصیل علوم ظاہری کے بعد اپنے والد بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے تربیت باطنی حاصل کی، اور ان کے ترک سلطنت کے بعد ان کی جانشینی کی، عدل وصلاح اور دینداری میں نیک نام اور مقبول خاص وعام تھے، آپ کے ضمیر میں بھی عشق الٰہی کی وہی چنگاری تھی، جو آپ کے آباء کرام کو وقتاً فوقتاً مولانا روم کے اس شعر پر کاربند ہونے پر آمادہ کرتی رہی تھی ؎

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلامِ ملکِ عشق لا یزال

آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت واقتدار سے دست کش ہو کر خلوت گاہ حق کو اختیار کیا، اور ان کے صاحبزادہ شیخ احمد نے سلطنت کا کاروبار سنبھالا، وہ بھی اپنے

[1] زبدۃ المقامات ص۸۸، ۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والد ماجد کی طرح صاحب علم و تقویٰ اور لباس شاہی میں درویش صفت بزرگ تھے، آپ پر جذب الٰہی نے ایسا غلبہ کیا کہ سلطنت کو بالکل ہی خیرباد کہا اور اولاد کو بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی، تھوڑا سا اثاثہ اہل وعیال کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، آپ نے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا، اور خلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

ان کے بعد خاندان کے اکابر بھی صاحب فقر وارشاد تھے، اور اپنے اپنے زمانہ کے مقبول و عالی مرتبہ مشائخ سے تربیت سلوک اور فیض باطنی حاصل کرتے رہے، خواہ وہ کسی سلسلۂ عالیہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

امام رفیع الدین جو مجدد صاحب کے جد سادس اور شیخ شہاب الدین علی فرخ شاہ کی نویں پشت میں ہیں، صاحب "زبدۃ المقامات" کے بیان کے مطابق علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، تربیت باطنی اور تعلیم سلوک حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت سید جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ) سے حاصل کی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کی ابتدا کے بزرگ تھے، اس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں، جو کابل سے ہندوستان تشریف لائے، اور سرہند کی اقامت اختیار کی جس کا قدیم نام سہرند تھا، یہ جگہ غیر آباد اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی، اور اس کے اور سامانہ کے درمیان جہاں شاہی خزانہ جایا کرتا تھا کوئی اور بستی نہ تھی، اس بنا پر اس کے نواح واطراف کے رہنے والے باشندوں خصوصاً قریۂ سرالیس کے ساکنوں نے جو وہاں سے ۶، ۷ کوس پر واقع ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہو کر (جن سے سلطان فیروز شاہ ارادت و عقیدت رکھتا تھا) التماس کیا کہ دارالحکومت تشریف لے جا کر وہاں شہر آباد کرنے کی تحریک فرمائیں، سلطان نے آپ کی اس خواہش فرمائش

کی تعمیل کی، اور خواجہ فتح اللہ کو جو امام رفیع الدین کے بڑے بھائی اور مقربان سلطانی میں تھے، اس پر تعینات فرمایا، اور خواجہ صاحب دو ہزار سواروں کے ساتھ تشریف لائے، اور قلعہ کی تعمیر فرمائی، حضرت مخدوم جہانیان نے امام رفیع الدین کو جو آپ کے خلیفہ اور امام نماز تھے، اور قصبۂ سنام میں مقیم تھے، ارشاد فرمایا کہ وہ اس قلعہ کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس شہر میں سکونت اختیار کریں کہ وہ وہاں کے صاحب ولایت ہیں، اس وقت سے آپ کا خاندان وہاں سکونت پذیر ہے[1]، قلعہ کی بنیاد اور سرہند کی آبادی کا آغاز ۷۶۰ھ بتایا جاتا ہے[2]۔

اس طرح حضرت مجدد کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے سرہند آباد چلا آ رہا تھا[3]،

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "زبدۃ المقامات" ص ۸۹-۹۰

[2] جہاں تک قدیم تاریخ کا تعلق ہے یہ شہر کبھی ضلع ستلج کا صدر مقام تھا، مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (HIUN SONG) نے بھی (جس نے ساتویں صدی مسیحی میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اس کا ذکر کیا ہے اور اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ اس کے ارد گرد سونا دستیاب ہوتا ہے، ہندی میں "سہ" شیر کو کہتے ہیں اور "اند" کے معنی ہیں جنگل، ایک زمانہ میں ہندوؤں اور غزنویوں کے لئے یہ سرحد کا کام دیتا تھا، اور اس سے آگے ہند شروع ہوتا تھا، غالباً اس لئے اس کا نام "سرہند" مشہور ہو گیا، جو سہرند کا قریب المخرج ہے ۵۸۸ھ (۱۱۹۱ء) میں سلطان محمد غوری نے سرہند فتح کیا، فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی تک سلاطین دہلی نے سرہند کو چنداں اہمیت نہیں دی، اس کے بجائے سامانہ زیادہ مورد توجہ رہا، فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے سرہند کی طرف از سر نو توجہ شروع ہوئی اس کے بعد سے اہم امرائے سلطنت سرہند و فیروزپور کے ناظم بنتے رہے، فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی اس کی اہمیت میں معتدبہ اضافہ ہوا، بابر کئی بار سرہند آیا گیا، ہمایوں بھی سرہند آیا اور یہیں سے وہ دہلی آ کر دوبارہ تخت و تاج کا مالک بنا، عہد مغلیہ میں شہر کی خوشحالی اور رونق کا یہ عالم تھا کہ یہاں ۳۶۰ مساجد، سرائے، کنویں اور مقبرے پائے جاتے تھے۔ (ملخص از دائرۂ معارف اسلامیہ مضمون سرہند شریف)

[3] حضرت مجدد نے اپنے وطن سرہند کے متعلق مکتوبات میں بڑے بلند کلمات فرمائے ہیں، اور اس میں خاص نورانیت و سکینت کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو مکتوب ۲۲ مکتوبات دفتر دوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تذکرہ وتراجم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شرفاء وعلماء کے خاندان آباد ہوگئے تھے، اور اس خاک سے کئی باکمال پیدا ہوئے[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عروج اور اسلامی علوم وفنون سے رشتہ دسویں صدی ہجری کے ابتدا میں قائم ہوا، آٹھویں اور نویں صدی میں حضرت مجدد کے خاندان کے چند برگزیدہ افراد کے علاوہ کسی بڑے سرہندی عالم کا نام کتب تذکرہ وتراجم میں نہیں آتا، لیکن دسویں صدی کے شروع ہونے کے بعد سرہند میں علمی ودینی بیداری اور درس وتدریس کی گرم بازاری نظر آتی ہے، اور متعدد اہلِ کمال اور سربرآوردہ علماء کے نام نظر آتے ہیں، جو مسند درس وارشاد پر متمکن اور مصروف افادہ وافاضہ تھے، ان میں سب سے پہلے مشہور صاحبِ درس وافادہ مولانا الٰہ داد بن صالح سرہندی (م ۹۲۷ھ) کا نام ملتا ہے، ان کے بعد مولانا شیر علی قادری (م ۹۸۵ھ) اور مولانا علی شیر (م ۹۸۵ھ)[2] مفتی احمد سرہندی، (م ۹۸۶ھ) الحاج ابراہیم سرہندی تلمیذ علامہ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی (م ۹۹۴ھ) مولانا عبداللہ نیازی مہدوی[3] (م ۱۰۰۰ھ) اور چندان فضلاء کے نام نظر آتے ہیں، جن کا سن وفات معلوم نہیں، مثلاً مشہور استاذ زمانہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری کے استاد مولانا عبدالقادر مولانا عبدالصمد حسینی مرید شیخ علی عاشقاں جونپوری، مولانا امان اللہ، مولانا قطب الدین اور مولانا مجدالدین، آخرالذکر کے متعلق مولانا یعقوب کشمیری استاد حضرت مجدد کی شہادت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے متبحر عالم تھے، بابر سے سرہند میں ان کی ملاقات ہوئی اور بابر نے ان کا بڑا اعزاز کیا مولانا میر علی اور مولانا بدرالدین سرہندی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[4]

---

[1] تاریخ وتراجم کی کتابوں میں صرف تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحییٰ بن احمد کا نام ملتا ہے، جو نویں صدی کے مصنفین میں ہیں، انھوں نے تاریخ مبارک شاہی ۸۳۸ھ کے حدود میں لکھی، وہ اپنے آپ کو اسیہرندی لکھا کرتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

[2] ممکن ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں، "گلزار ابرار" و "نزہۃ الخواطر" میں دونوں کا نام معکوس ترتیب سے آیا ہے۔

[3] کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مہدوی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

[4] یہ سب نام "نزہۃ الخواطر" جلد چہارم سے التقاط کئے گئے ہیں، کتاب میں ان کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے "زبدۃ المقامات" میں حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد کا کسی قدر تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، چونکہ حضرت خواجہ حضرت مجدد کی خدمت میں مسلسل تین سال حاضر رہے، اور ان کی معلومات کا زیادہ تر ماخذوہ اقوال اور ارشادات ہیں جو انھوں نے حضرت مجدد کی زبان سے وقتاً فوقتاً سنے، ان میں اگر کوئی اضافہ ہے تو صاحبزادگان والاشان سے حاصل کئے ہوئے معلومات کا ہے، اس لئے ان کے بیان کو ہر طرح مستند اور بالواسطہ حضرت مجدد کے ارشادات کا مجموعہ سمجھنا چاہئے، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالاحد پر عنفوان شباب اور اثنائے تحصیل علم میں طلب مولیٰ اور حصول علم الیقین کا ایسا غلبہ ہوا کہ تکمیل علوم کا انتظار کئے بغیر اس عہد کے شہرۂ آفاق چشتی (صابری) شیخ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اور ان سے ذکرواذکار کی تلقین اور سلوک کی تعلیم حاصل کی، جب حضرت شیخ...... کے آستانہ پر پڑ رہنے۔ ع

یا جاں رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید

کے شوق وعزم کا اظہار کیا، تو پیر روشن ضمیر نے اس کو منظور نہ فرمایا اور علوم دین وشریعت کی تحصیل وتکمیل کی تاکید کی، اور فرمایا کہ "علم کے بغیر جو درویشی ہوتی ہے، اس میں کچھ آب ونمک نہیں ہوتا"، مخدوم نے حضرت شیخ کی کبرسنی کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے شبہ ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب اس آستانہ پر حاضر ہوں گا تو یہ دولت جاوید پاؤں گا یا نہ پاؤں گا؟[1] شیخ نے فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے وہ دولت حاصل کر لینا، مخدوم نے

---

[1] اشارہ تھا، حضرت شیخ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کی طرف۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعمیل ارشاد کی اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔

تقدیری بات کہ آپ کو جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا، اور فراغت سے پہلے شیخ نے رخت سفر باندھ لیا، مخدوم نے علوم مروجہ کی تکمیل کرنے کے بعد کچھ دن مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا، پھر حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے منازل سلوک طے کئے اور چشتی و قادری سلسلہ میں خرقۂ خلافت اور تلقین و تربیت کی اجازت سے سرفراز ہوئے[1]۔

ان دو بزرگوں شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین پر وحدۃ الوجود، غلبت و بیخودی، سکر و شورش اور استغراق کا غلبہ تھا، اور وہ صاحب وجد و سماع تھے، خاص طور پر شیخ عبدالقدوس رحمۃ وحدۃ الوجود کے اظہار و اعلان پر اپنے کو مامور سمجھتے تھے، اور اس کے پرجوش داعی و مبلغ تھے، بایں ہمہ اتباع سنت اور عمل بالعزیمت میں قدم راسخ رکھتے تھے، نیستی و بے نفسی کا غلبہ تھا، نہایت رقیق القلب کثیر العبادت بزرگ تھے، موت کو ہمیشہ یاد کرتے تھے، اور خاتمہ کی فکر غالب رہتی تھی[2]۔

اپنے پیر بیعت شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین کے علاوہ مخدوم شیخ عبدالاحد کا قادری سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بھی ربط خاص تھا، حضرت شاہ کمال اپنے زمانہ کے بڑے باکمال اور صاحب حال بزرگ تھے[3]۔

شیخ عبدالاحد کا یہ قول گزر چکا ہے کہ "نظر کشفی سے کام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] شیخ رکن الدین نے آپ کو جو خلافت نامہ دیا وہ "زبدۃ المقامات" میں من و عن درج ہے صفحہ ۹۲-۹۶ اس کا بڑا حصہ عربی میں ہے۔ [2] کمالات اور اذواق و مواجید کے لئے ملاحظہ ہو لطائف قدوسی تالیف شیخ رکن الدین فرزند حضرت شیخ و "زبدۃ المقامات" از خواجہ محمد ہاشم کشمی، صفحہ ۹۶-۱۰۱ و نزہۃ الخواطر ج ۴۔

[3] ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۴۔

سلسلہ علیہ قادریہ میں بانی سلسلہ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد اس مرتبہ کا آدمی کم تر نظر آتا ہے" ان کے پوتے شاہ سکندر بھی بڑے عالی مرتبت شیخ تھے، اور حضرت مخدوم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت مخدوم جب اکتساب علوم سے فارغ ہوئے تو مردانِ خدا کی تلاش میں مختلف شہروں کا سفر کیا، سفر کرتے وقت عزم کیا کہ جہاں بدعت کے آثار نظر آئیں گے، وہاں ارادت تو درکنار صحبت سے بھی پرہیز کریں گے، اس سفر میں شیخ الہ داد کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، رہتاس میں شیخ الہ داد اور مولانا محمد بن فخر صاحب "توضیح الحواشی" سے بھی ملاقات کی اور ان کے درس میں شریک ہوئے، بنگالہ بھی تشریف لے گئے، اور جونپور بھی چند دن حضرت سید علی قوام (علی عاشقاں) کی خدمت میں رہے، اس سفر سے واپس سرہند تشریف لائے، پھر سفر آخرت تک یہیں مقیم رہے اور کہیں کا سفر نہیں کیا، معقولات اور منقولات کی کتب متداولہ بڑی پابندی سے اور بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے، حضرت مجدد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، لیکن فقہ و اصول فقہ میں ان کی نظیر نہیں تھی، جب "اصول بزدوی" کا درس دیتے تھے، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ کی فقہ میں علو شان اور ان کی جلالت و امامت عیاں و نمایاں ہو جاتی تھی، کتب تصوف کا بھی درس دیتے تھے، خاص طور پر "تعرف" "عوارف المعارف" اور "فصوص الحکم" کے مطالب اور دقیق مضامین کو حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے، تحقیقاً و ذوقاً بھی شیخ اکبر کے مشرب پر تھے، لیکن خداداد عالی ظرفی اور ضبط و احترامِ شریعت کی وجہ سے کبھی زبان سے سکر و شطحیات کی کوئی بات نہ نکلتی، بے نفسی اور تفرید کا بڑا غلبہ تھا، تلامذہ کی کثرت کے باوجود کبھی کسی سے خدمت نہ لیتے گھر کی ضرورت کی چیزیں خود بازار سے لاتے، اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا حتی الامکان کوئی سنت فروگذاشت نہ ہوتی، امور عادیہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس و پوشاک میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے، عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت سے اجتناب، اگرچہ بیعت و خلافت سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں تھی اور ان طرق میں نسبت عالی رکھتے تھے، لیکن آپ کے اخلاص اور عالی ہمتی کی دلیل یہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کا بڑا اشتیاق ظاہر کرتے تھے، اور اس کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے مثلاً اس کی دعا کرتا ہوں کہ یہ سلسلۂ عالیہ ہمارے ملک میں پہونچے، یا خدا ہمیں اس کے مرکز میں پہونچا دے کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے، صاحب تصنیف بھی تھے، "کنوز الحقائق" اور "اسرار التشہد" آپ کی تصنیفات میں سے ہیں[1]۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا والد ماجد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل بیت کرام کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے جب والد صاحب کو سکرات شروع ہوئے تو میں نے آپ کو یاد دلایا، فرمایا الحمد للہ والمنۃ کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ[2]

اثنائے سفر میں جب سکندرہ[3] کے مقام پر پہونچے اور وہاں کچھ دن قیام کیا تو وہاں آپ کی شرافت و نجابت اور صلاح و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت دیکھ کر ایک شریف خاندان نے

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے "زبدۃ المقامات" میں "اسرار التشہد" کے کچھ مضامین نقل کئے ہیں، ص۱۱۸-۱۲۰ حضرت مجدد کی زبانی حضرت مخدوم کے بعض فوائد اور تحقیقات بھی نقل کئے ہیں ص۱۲۰-۱۲۲

[2] زبدۃ المقامات ص۱۲۳ [3] صاحب زبدۃ المقامات نے اس کو اٹاوہ کے قریب بتایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ صوبہ اتر پردیش میں واقع تھا۔

خود رشتہ کی پیش کش کی اور اس خاندان کی ایک نیک سیرت صالحہ خاتون سے آپ کا عقد کر دیا، حضرت مخدوم کی سب اولاد انہی سے ہوئی۔

حضرت مخدوم کو اللہ تعالےٰ نے ان کے مرشد ہی کی طرح سات فرزند عطا فرمائے تھے، جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، شاہ محمد، شیخ محمد مسعود، شیخ غلام محمد، شیخ مودود[1] دو بھائیوں کے نام اور کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی، ان میں واسطۃ العقد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تھے، بقیہ فرزند بھی صاحبِ علم اور صاحب استعداد تھے، اور انھوں نے بھی علوم رسمیہ اور سلوک کی تعلیم اپنے والد یا مشائخ عصر سے حاصل کی تھی۔

حضرت مخدوم نے اسّی سال کی عمر میں ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی،[2] قبر مبارک شہر سرہند سے مغربی جانب تقریباً ایک میل پر واقع ہے[3]۔

حضرت مخدوم کی سیرت کا جوہر خاص حق پسندی، انصاف، شریعت و سنت کی تعظیم و احترام اور ان پر عمل کرنے کی کوشش و اہتمام، حمیت دینی اور ترقیاتِ باطنی میں عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کہا جا سکتا ہے، اور یہی جوہر ان کے لخت جگر کے ضمیر میں (جس کے لئے دین کی تجدید اور ہندوستان میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی سعادت مقدر ہو چکی تھی) ودیعت ہوا تھا، جس کو فضل ربانی نے چمکا کر اور دوسرے وہبی کمالات عطا فرما کر آفتابِ عالمتاب بنا دیا۔

---

[1] شیخ غلام محمد اور شیخ مودود کے نام حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد اول)

[2] زبدۃ المقامات ص۱۲۳ بعض حضرات نے تاریخ وفات ۱۷ رجب اور بعض نے ۲۲ جمادی الآخرہ لکھی ہے، ۱۰۰۷ھ پر سب کا اتفاق ہے۔ [3] زبدۃ المقامات ص۱۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولادت وحالات

ولادت وتعلیم

شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ "خاشع" سے سن ولادت نکلتا ہے، صغر سنی ہی سے آپ میں رشد وسعادت کے آثار نمایاں تھے ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

صلحائے وقت بالخصوص حضرت شاہ کمال کیتھلی کی (جن سے والد بزرگوار کو نسبت باطنی تھی) آپ کی طرف خاص توجہ اور شفقت تھی، اور وہ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے تھے[1] آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی کہ شیخ کمال نے رحلت کی آپ کو ان کا حلیۂ مبارک یاد تھا، اور جس گھر میں والد صاحب کے ساتھ جا کر زیارت کی تھی، اس کا نقشہ بھی ذہن میں موجود تھا۔

تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے ہوئی، اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کر لی، پھر والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق مضامین کے جلد اخذ کر لینے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم کی والد بزرگوار سے اور چند کی

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ص ۱۲۷-۱۲۸

اپنے عہد کے بعض علمائے کبار سے تحصیل کی، کچھ عرصہ کے بعد سیالکوٹ جو اس زمانہ کا بڑا علمی و تعلیمی مرکز تھا، تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیری سے جن کو منطق و فلسفہ، علم کلام و اصول فقہ میں کمال حاصل تھا، اور جن کی ذکاوت و حافظہ، کثرت مطالعہ اور قوت تدریس کا شہرہ تھا[1]، اور جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء اور مدرسین پیدا ہوئے اس وقت کے نصاب تعلیم کی بعض انتہائی اور اعلیٰ کتابیں (مثلاً عضدی) پڑھیں، حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے پڑھیں، جو حدیث میں مسند وقت شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی کے شاگرد تھے، اور جن کی تصنیفات میں صحیح بخاری کی بھی ایک شرح ہے[2]۔

شیخ یعقوب کو بڑے بڑے محدثین اور مصنفین سے کتب حدیث وتفسیر اور ان کی تالیفات کی اجازت حاصل تھی، آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے جو علم حدیث وتفسیر میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور حدیث میں شیخ وقت عبدالرحمٰن بن فہد کے تلمیذ رشید تھے، صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور دوسری کتب حدیث ثلاثیات بخاری اور حدیث مسلسل کی سند حاصل کی، نیز متقدمین کے دستور کے مطابق کتب تفسیر وغیرہ

[1] مولانا کمال الدین بن موسیٰ سنہ ۹۷۱ھ میں کشمیر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے، اور تقریباً نصف صدی درس و تدریس میں مصروف رہ کر سنہ ۱۰۱۷ھ میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۱۶)

[2] مولانا یعقوب بن الحسن الصرفی کشمیری کی سنہ ۹۰۸ھ میں کشمیر میں ولادت ہوئی، تحصیل علم اور حصول طریقہ کے لئے سمرقند کا سفر کیا، جہاں شیخ حسین خوارزمی سے طریقہ کبرویہ حاصل کیا، اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے، حجاز جا کر علم حدیث حاصل کیا اور وہاں سے فقہ، حدیث وتفسیر کی نفیس کتابیں اپنے ساتھ لائے، ۱۲؍ ذی قعدہ سنہ ۱۰۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۳۹) اس طرح اپنے استاذ مولانا یعقوب کے ذریعہ حضرت مجدد کو صحاح کے مطالعہ اور امہات کتب حدیث سے متعارف ہونے کا موقع ملا ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سند بھی ان کے مصنفین تک پہونچائی[1] سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے۔

آپ جب علوم عقلیہ ونقلیہ اور اصول وفروع سے فارغ ہوئے تو درس وتدریس کے کام کا آغاز کیا، اور عربی و فارسی میں کچھ رسائل بھی لکھے جن میں "رسالۂ تہلیلیہ" "رسالہ رد مذہب شیعہ" شامل ہے آپ دار الحکومت اکبر آباد (آگرہ) بھی گئے، وہاں ابوالفضل وفیضی سے صحبتیں رہیں، لیکن اختلاف ذوق ومسلک کی وجہ سے ان سے مناسبت نہ ہوئی بعض مرتبہ کچھ ردّ وکد کی بھی نوبت آئی اور ابوالفضل کے بعض بے باکانہ الفاظ پر ناگواری کا اظہار فرمایا، اور آمد ورفت موقوف کردی، ابوالفضل نے آدمی بھیج کر بلوایا اور معذرت کی، ایک مرتبہ فیضی کو جو اُس زمانہ میں تفسیر غیر منقوط (سواطع الالہام) لکھنے میں مصروف تھے ایک جگہ مناسب (غیر منقوط) لفظ ملنے میں اور مطلب کے ادا کرنے میں دقت پیش آئی اور قلم رک گیا، حضرت مجدد سے انھوں نے تذکرہ کیا آپ نے مشکل کشائی فرمائی اور فیضی کو آپ کے طبع رسا اور وفورِ علم کا اعتراف کرنا پڑا۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل ہوگیا، والد ماجد کو شوق ملاقات ہوا، باوجود کبر سنی اور بُعد مسافت کے آگرہ تشریف لے گئے، حضرت مجدد نے والد ماجد کے ساتھ وطن مراجعت فرمائی، دہلی وسرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گزر ہوا تو شیخ سلطان جو وہاں کے رؤسائے وعمائد اور اسی کے ساتھ علماء وفضلائے وقت میں تھے اور ان کو تقرب سلطانی بھی حاصل تھا، اور اس وقت علاقۂ تھانیسر کے حاکم تھے، اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آئے، اور اپنے یہاں مہمان رکھا اور ایک اشارۂ غیبی کی بنا پر اور حضرت مجدد کے اخلاق وخصوصیات کو دیکھ کر ان سے نسبت مصاہرت قائم کرنے کی خواہش کی، والد صاحب نے اس رشتہ کو منظور فرمایا اور وہیں عقد مسنون انجام پایا، اور آپ بہو کو رخصت کرکے سرہند تشریف لائے۔

---

[1] حدیث مسلسل اور دوسری اسانید "زبدۃ المقامات" میں موجود ہیں۔

سلوک کی تربیت وتکمیل اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت واستفادہ

اس موقع پر تصوف وسلوک کی ضرورت اور اس کے شرعی وعلمی ثبوت پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں کہ "تاریخ دعوت وعزیمت" کے سلسلہ کے (جس کا یہ چوتھا حصہ ہے) قارئین کو اس کی پہلی جلد کے مطالعہ ہی سے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا عبدالقادر جیلانی اور مولانا جلال الدین رومی کے تذکرے موجود ہیں، اور تیسری جلد تو سراسر ہندوستان کے مشائخ کبار ہی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اس مضمون سے واسطہ پڑ چکا ہے، اگر اس سلسلہ میں مزید تشفی اور اطمینان کی ضرورت ہو تو مصنف کی کتاب "تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک" کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں صرف اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس ماحول اور عہد میں حضرت مجدد کو اپنا نازک ودشوار تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، اس میں تصوف، اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اس طرح گھل مل گیا تھا کہ وہ اس کا مزاج ومذاق بن گیا تھا، خواص تو خواص عوام بھی کسی عالم، معلّم یا مصلح کے اُس وقت تک قائل، اس کے عقیدت کیش اور اس کے خطاب وتفہیم سے منتفع نہیں ہوتے تھے، جب تک کہ وہ تصوف وسلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول ومستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو، یوں بھی کسی نہ کسی درجہ میں تزکیۂ نفس، اخلاص ویقین اور درد وسوز کے بغیر (جو عموماً کثرتِ ذکر وصحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا) محض وفورِ علم اور زور تقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، غرض یہ کہ اس عہد وماحول میں تصوف وسلوک اور قوت روحانی اور نور باطنی کے بغیر اصلاح وانقلاب کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہتھیاروں اور سپہ گری کے مشق وتربیت کے بغیر کوئی شخص میدان جنگ میں اتر آئے، اور کسی تربیت یافتہ اور مسلح فوج کا مقابلہ کرے، یا کوئی ایسا شخص جو قوت گویائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے فطرتاً محروم ہو، تعلیم و تفہیم کا کام انجام دینا چاہے، یہ عین حکمت و تدبیر الٰہی کا تقاضا تھا کہ اس میدان اصلاح و انقلاب میں اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ احمد السرہندی کو تصوف و سلوک کا نہ صرف رمز آشنا اور محرم راز بنایا بلکہ اہل کمال و تکمیل کی صحبت و تربیت سے پھر موہبت ربانی اور اجتبائے خاص سے ان کو اس میں درجۂ امامت و اجتہاد تک پہونچایا تاکہ وہ اس کار عظیم کو پوری تیاری اور پورے اعتماد کے ساتھ انجام دیں اور اس کا اثر دنیا کے دور دراز گوشوں اور بعد کی صدیوں تک قائم رہے۔ "ذٰلك تقدير العزيز العليم"

سرہند پہونچ کر آپ والد ماجد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے، ان سے بیش بہا فوائد باطنی حاصل کئے اور سلسلۂ چشتیہ و قادریہ کا سلوک طے کیا، اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

اس زمانہ میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے شوق نے غلبہ کیا اور وہاں کی کشش نے مضطرب و بے آرام بنا دیا، لیکن چونکہ والد ماجد کبیر السن تھے، اور بظاہر ان کی رحلت کا زمانہ قریب تھا، اس لئے ایسی حالت میں ان کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ معلوم ہوا جب ۱۰۰۷ھ میں ان کا واقعۂ ارتحال پیش آگیا تو اب آپ کو کوئی مانع نہ رہا اور ۱۰۰۸ھ میں آپ نے حرمین شریفین کی حاضری اور ادائے حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھ لیا، اور سرہند سے کوچ کر کے دہلی پہونچ گئے، وہاں کے علماء و فضلاء جن کے کانوں تک آپ کا آوازۂ فضل و کمال پہونچ چکا تھا، ملاقات کے لئے آئے، ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے، جن سے حضرت کا پرانا تعارف تھا، انھوں نے دوران گفتگو حضرت خواجہ باقی اللہ کے علوم تبہ، اور قوتِ باطنی کا تذکرہ کیا جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے دہلی میں ورود ہوا تھا حضرت مجدد اپنے والد ماجد سے سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر اور اس کا اشتیاق سن چکے تھے، اس لئے آپ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، اور اس کو حرمین شریفین کی

حاضری کی تیاری اور اس کی ایک سوغات سمجھ کر حاضری کا قصد فرما لیا، اور مولانا حسن کشمیری[1] کی معیت میں وہاں حاضر ہو گئے، اس وقت ہاتف غیب نے صدا دی ہوگی۔ ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم!

قبل اس کے کہ اس "قران السعدین" کا حال بیان کیا جائے اور اس کے بعد کے واقعات لکھے جائیں، حضرت خواجہ کا تعارف کرا دینا ضروری ہے[2]، اس سلسلہ میں ہم وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو مصنفِ "نزہۃ الخواطر" نے (جلد پنجم) حضرت خواجہ قدس سرہ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ "ما قلّ ودلّ" کا مصداق ہے، اور اس میں مستند کتابوں اور تذکروں کا لُبّ لباب آگیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہ)

شیخ اجل، قطب الاقطاب، امام الأئمہ رضی الدین ابو المؤید عبدالباقی بن عبدالسلام بدخشی مشہور بہ باقی باللہ کابلی ثم دہلوی، آپ کا وجود دنیا کے لئے باعث برکت و زینت، آپ کی حیات طیبہ مقصدِ آفرینش و غایت خلق کا مظہر[3]، آپ کی زبان حقیقت ترجمان، اور آپ کی ذات خلاصۂ عرفان تھی، علم و معرفت میں اللہ کی کھلی نشانی، اور ولایت و روحانیت کے منارۂ نورانی،

---

[1] حضرت مجدد مدۃ العمر ان کے احسان مند اور شکر گزار رہے کہ ان کے ذریعہ آپ کو یہ دولتِ جاوید حاصل ہوئی ملاحظہ ہو مکتوب ۲۷۹ دفتر اول۔ [2] سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار بالخصوص بانی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات اور سلسلہ کی خصوصیات اور نسبت خاصہ کی اجمالی واقفیت کے لئے اسی سلسلہ کے گلِ سر سبد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات بالخصوص "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" اور "ہمعات" کا مطالعہ کیا جائے۔

[3] یعنی آیت "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (میں نے جن و انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) کی عملی تفسیر اور روشن تصویر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۷۱ھ کے حدود میں کابل میں پیدا ہوئے اور مولانا محمد صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، پھر ان کے دل میں طریقۂ صوفیہ میں داخل ہونے کا داعیہ پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں آپ نے رسمی علوم کی تحصیل چھوڑ دی اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے مشائخ کبار کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہے، آپ نے سب سے پہلے شیخ خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہ خلیفۂ مخدوم اعظم دہبیدی کے دست حق پرست پر توبہ کی، مگر جب آثار استقامت ظاہر نہ ہوئے تو شیخ افتخار کی سمرقند آمد کے موقع پر ان کے ہاتھ پر دوبارہ توبہ کی جو شیخ احمد لیسوی کے سلسلہ کے بزرگ تھے، جب دوبارہ اپنی عزیمت واستقامت میں کمی محسوس کی تو اضطراری حالت میں امیر عبد اللہ بلخی کے ہاتھ پر تیسری بار توبہ کی، اور کچھ عرصہ حفظِ حدود کے پابند رہے، مگر آخری بار یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی، اسی عرصہ میں ان کو خواب میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی زیارت ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا، جہاں آپ کے لئے ممکن ہوتا وہاں جاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ کشمیر میں شیخ بابا کبروی کی خدمت میں پہونچے اور ان سے مستفید ہوئے، ان کی صحبت میں ان ربانی فیوض کی بارش ہوئی اور اس سلسلہ کی معروف غیبت وفنائیت کے آثار ظاہر ہوئے، شیخ مذکور کی وفات کے بعد آپ شہروں میں پھرتے رہے، اور سیاحت واستفادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روح نے ظاہر ہو کر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور آپ کی تکمیل ہوگئی، اس کے بعد ماوراء النہر گئے، جہاں شیخ محمد امکنگی سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے تین دن کے بعد اجازت ورخصت عطا کی، جس کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے، اور لاہور میں ایک سال ٹھہرے جہاں بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، پھر وہاں سے ہندوستان کے دار السلطنت دہلی تشریف لائے اور قلعۂ فیروزی میں قیام فرمایا، جس میں ایک بڑی نہر اور ایک بڑی مسجد تھی، آپ وہاں اپنی وفات

تک مقیم رہے۔

آپ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ وجد وذوق، نہایت متواضع ومنکسر مزاج تھے، اغیار اور نامحرموں سے اپنے احوال رفیعہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنے کو مقام ارشاد کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور اگر کوئی آپ کے پاس باطنی استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اس لئے آپ کسی اور بزرگ سے رجوع کریں اور اگر آپ کو کوئی شخصیت مل جائے تو مجھے بھی خبر کر دیں، غرض آپ ادعا سے دور رہ کر آنے والوں کی خدمت وتالیفِ قلب میں مشغول رہتے تھے، اور کسی ضرورت یا دقیق مسئلہ کی وضاحت ہی کے لئے لب کشائی کرتے اور مخاطب کی رہنمائی کے لئے مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے تھے، اپنے احباب کو قیام تعظیمی سے منع فرماتے اور اپنے کو انھیں جیسا سمجھتے تھے، اور تمام حالات میں ان سے مساوات کا معاملہ فرماتے تھے، تواضع ومسکنت کے خیال سے ننگی زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کو عجیب وغریب کیفیت روحانی اور قوت تاثیر حاصل تھی، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی اس کے حالات بدل جاتے اور پہلی ہی صحبت میں اُسے ذوق وشوق اور اہل معرفت کی روحانی کیفیات حاصل ہو جاتیں اور پہلی ہی توجہ وتلقین میں طالبین کا قلب جاری ہو جاتا تھا، آپ کا فیض اور مخلوق پر شفقت سب کے لئے اس قدر عام تھی کہ سخت جاڑے کی ایک رات میں آپ کسی کام سے بستر سے اٹھ کر گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنے لحاف میں ایک بلی کو سوتا دیکھ کر اسے جگانے اور ہٹانے کے بجائے صبح تک بیٹھے رہے، اسی طرح آپ کے قیام لاہور کے زمانہ میں قحط پڑا تو اس عرصہ میں آپ نے کچھ نہیں کھایا، آپ کے پاس جو کھانا آتا اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے، لاہور سے دہلی جاتے ہوئے راستہ میں ایک معذور شخص کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور اُسے سوار کر کے اور پہچاننے والوں سے بچنے کے لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہرہ چھپائے ہوئے اس کی منزل مقصود تک پیدل گئے اور پھر سوار ہوئے، غلطی کے اعتراف اور اپنے کو خطاکار سمجھنے میں کوئی تأمل نہ کرتے تھے، اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں بلکہ عوام سے بھی اپنے کو ممتاز نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان ہر قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا، مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت کرتے رہے، کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلوی نے حکام سے اس کی شکایت کی اور انھوں نے اسے پکڑ کر بند کر دیا، جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ان مرید پر ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی، انھوں نے عرض کیا "حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے" اس پر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح و تقویٰ تھے، اس لئے آپ نے اس کا فسق و فجور محسوس کر لیا، مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوشش سے حکام نے اسے رہا کیا، اور وہ تائب ہو کر اہلِ صلاح میں سے ہو گیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ یہ میری ہی غلطی تھی، جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی، عبادات و معاملات میں احتیاطی پہلو اختیار کرتے اس لئے ابتدا میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں اور قوی دلیلیں ہیں۔

یہ چند چیزیں ان کے فضائل و کمالات کا صرف ایک معمولی حصہ اور ان کے بحر شمائل کا صرف ایک قطرہ ہیں، اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ قلیل مدت میں کتنے انسانوں کو آپ سے فیض باطنی پہونچا، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس سلسلۂ مبارکہ کو آپ ہی کے ذریعہ

فروغ حاصل ہوا، جسے آپ سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔[۱]

شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری کہتے ہیں کہ آپ وعظ و ارشاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کیونکہ کل تین (۳) چار (۴) سال کی مدت میں اپنے افادات کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلا دی، اس کی تفصیل ملا ہاشم کشمی کی "زبدۃ المقامات" میں ہے، آپ نے کل چالیس (۴۰) سال کی عمر پائی اور ہندوستان آنے کے بعد کل چار (۴) سال حیات رہے، اور اس تھوڑی مدت میں آپ کے اصحاب و رفقاء کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہونچ گئے یہاں تک کہ انھوں نے گذشتہ سلسلوں کے آثار محو کر دیئے، اور طریقۂ نقشبندیہ تمام سلسلوں پر غالب آگیا۔

محمد بن فضل اللہ محبّی نے "خلاصۃ الاثر" میں لکھا ہے کہ "حضرت شیخ اللہ کی ایک نشانی و روشنی اور سرِّ الٰہی اور علم ظاہر و باطن اور تصرفات کے حامل تھے، خاموش طبع، متواضع اور ایسے خوش اخلاق تھے کہ لوگوں میں اپنے کو ذرا بھی ممتاز نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ اپنے احباب کو بھی قیامِ تعظیمی سے روکتے اور معمولی سلوک کی تلقین کرتے تھے"

محبّی کا کہنا ہے کہ آپ سے بڑے بڑے تصرفات ظاہر ہوئے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی یا داخل سلسلہ ہوتا تو اس پر محویت و فنائیت کا غلبہ ہو جاتا، اگرچہ اسے اس راہ سے پہلے کوئی مناسبت نہ ہوتی، لوگ آپ کے دروازہ پر مدہوشوں کی طرح پڑے رہتے، بعض لوگوں

۱؎ سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان دو طریق سے پہونچا، ایک امیر ابو العلاء اکبرآبادی کے ذریعہ جن کو اپنے چچا عبد اللہ احراری سے طریقۂ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت تھی، اس طریق میں چشتیت و نقشبندیت باہم مخلوط ہیں کالپی، مارہرہ، داناپور وغیرہ کا ابو العلائی سلسلہ انہی سے چلتا ہے، دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، اصلاً اس سلسلہ کی ہندوستان میں اشاعت حضرت خواجہ کی آمد اور حضرت مجدد کے اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہوئی، پھر وہ سارے عالم میں پھیل گیا۔ (الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، تالیف مولانا سید عبد الحی مصنف "نزہۃ الخواطر")۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر پہلے ہی وہلہ میں عالم ملکوت منکشف ہوجاتا جو غیبی کشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کے مریدوں میں طریقۂ مجددیہ کے امام و بانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ تاج الدین بن سلطان عثمانی سنبھلی، شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بدخشی، شیخ اللہ داد دہلوی جیسے جلیل القدر مشائخ اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

آپ کی تصنیفات میں نادر رسالے قیمتی مکاتیب اور پاکیزہ اشعار ہیں جن میں کتاب "سلسلۃ الاحرار" ہے جس میں آپ نے فارسی میں اپنی عرفانی رباعیات کی شرح کی ہے۔

چہارشنبہ ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں چالیس سال چار ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر مغربی دہلی میں قدم رسولؐ کے قریب ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

بیعت و تکمیل

حضرت مجدد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ گویا آپ کے انتظار ہی میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی غیور اور دیر آشنا واقع ہوئی تھی کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے، لیکن یہاں طالب خود مطلوب تھا، اور خدا کو حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجدد کی روحانی تکمیل کر کے اور اس نسبت خاص کو عطا کر کے جس کا طریقۂ نقشبندیہ اس عہد میں حامل تھا، اور جس کی سلوک باطنی کی دنیا اور ہندوستان کے اِس روحانی ماحول میں ضرورت تھی، ایک نئی نوعیت وطرز سے دین کی تجدید کا کام لینا، طریقت کو شریعت کے تابع بنانا، منازل سلوک کو طے کرانا اور وسائل سے مقاصد تک پہونچانا مقصود تھا، حضرت خواجہ نے خلاف معمول فرمایا کہ "آپ چند روز ہمارے مہمان رہیں، ایک ماہ ایک ہفتہ ہی سہی"۔

حضرت خواجہ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا تھا، استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے ان کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا، وہ اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں، اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر دے رہا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا، اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا"[1]

حضرت مجدد کے لئے اس ارشاد کے بعد انکار و معذرت کی کیا گنجائش تھی کہ ان کے اندر خود خضر طریق اور چشمۂ حیواں کی طلب موجود تھی، آپ نے یہ دعوت قبول فرمالی اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ کو منجر ہوا، اس صحبت میں طریقۂ نقشبندیہ کے اکتساب و تحصیل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بلا تامل قبول فرمالیا اور خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی، اور آپ کی توجہ سے اسی وقت ذکر قلبی جاری ہوگیا اور ایسی حلاوت و لذت محسوس ہوئی جو یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً ترقی کرتی رہی حضرت خواجہ نے ان حالات اور برق رفتار ترقی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہی وہ طوطی خوشنوا ہے جو خواب میں دکھایا گیا تھا، اور اسی کی خوش نوائی و خوش ادائی سے ہندوستان کے چمن بلکہ چمن اسلام میں نئی بہار آئے گی[1]

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اس دو ڈھائی مہینہ میں حضرت مجدد کو جو باطنی کیفیات و ترقیات حاصل ہوئیں اور جو مراحل سلوک طے ہوئے ان کا بیان کرنا اور الفاظ کے ذریعہ ان کا سمجھنا یا سمجھانا ممکن نہیں ہے[2]

---

۱ زبدۃ المقامات ص ۱۴۰-۱۴۱ حضرات القدس ص ۲۶-۲۷ ۲ اگر کسی کو اس کے دیکھنے کا شوق ہو تو وہ مکتوب ۲۹۶ دفتر اول حصہ چہارم بنام حضرت خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبد اللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہ، نیز مکتوب ۲۹۰ دفتر اول حصہ پنجم بنام مولانا محمد ہاشم کشمی کا مطالعہ کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

حضرت مجدد اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی اور یوماً فیوماً ترقی ہونے کی امید ہے، دوسری مرتبہ جب دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبانِ خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد وہدایت کی اجازت دی، اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیمِ طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجدد اس کے بعد تیسری اور آخری مرتبہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے بہت دور باہر نکل کر استقبال کیا اور بڑی بشارتیں دیں، اپنے حلقۂ توجہ میں آپ کو سرِ حلقہ بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ "اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے، امیدِ حیات بہت کم ہے" اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبد اللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا[1]۔

حضرت مجدد کے علو مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو اس تعلق کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا کہ "شیخ احمد نے جو سرہند کے باشندہ کثیر العلم قوی العمل بزرگ ہیں، فقیر کے ساتھ چند دن نشست وبرخاست

۱؎ زبدۃ المقامات ص ۱۵۵

کی فقیر کے مشاہدہ میں ان کے عجیب کمالات واوصاف آئے امید ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہوجائے گا، ان کے احوال کاملہ پر میرا یقین استوار ہے"۔

خود حضرت مجدد کو پہلی ہی توجہ وتلقین سے یقین ہوگیا کہ وہ اس راہ کے مدارج عالیہ تک پہونچیں گے اسی کے ساتھ دید قصور اور اپنی نفی بھی دل میں راسخ تھی، اسی کے ساتھ یہ شعر بھی وردِ زبان تھا ؎

ازیں نورے کہ از تو بردلم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت[1]

حضرت مجدد ان ترقیات باطنی اور فضائل علمی وعملی کے ساتھ اپنے شیخ ومرشد کا نہایت درجہ ادب کرتے تھے کسی وقت اگر شیخ نے ان کو طلب فرمایا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا[2]، ادھر شیخ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہوگیا جو کم تر کسی شیخ کا اپنے مسترشد کے ساتھ ہوا ہوگا، ایک مرتبہ فرمایا کہ "شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں سیارگان در ضمن ایشاں گم اند"[3] (شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں)۔

۱؎ زبدۃ المقامات ص ۱۴۵ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۹ ۳؎ ایضاً ص ۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

اہم واقعات وحالات، ارشاد وتربیت کی سرگرمی، وفات

سرہند کا قیام

اس اکتساب فیض اور تکمیل کے بعد حضرت مجددؒ نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی، ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے، اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا بہ شدت احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھیں، اور طبیعت عروج کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ مشکل تھی جس کے لئے نزول شرط ہے، جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ (اس حالت میں) "اپنے نقص کا علم روشن ہوگیا جو طالب میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوال منتظرہ عطا فرما دیئے۔"[1]

آخر وہ وقت آگیا کہ آپ کا فیض عام ہو، اور طالبین کی تکمیل اور ارشاد کا کام

۱ے مکتوبات، مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

شروع ہو، مجددؒ صاحب اپنے احوال مسترشدین اور برادران طریقت کی ترقیات باطنی کی تفصیل شیخ کو لکھتے رہے، ایسی بشارتیں منامات اور کیفیات بھی ظاہر ہوئیں جن سے آپ کو یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی بڑا کام لینا ہے، اور آپ سے دین کی کوئی عظیم الشان خدمت وجود میں آئے گی،[1] تیسری حاضری کے بعد حضرت خواجہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

لاہور کا سفر

حضرت مجددؒ نے کچھ عرصہ سرہند مقیم رہ کر شیخ کے اشارہ وارشاد پر لاہور کا سفر اختیار فرمایا، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی ودینی مرکز تھا، اور وہاں بکثرت علماء ومشائخ تھے، ان میں سے ایک جم غفیر نے آپ کی آمد کی خبر سن کر آپ کا پرجوش استقبال کیا اور بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آئے[2] مولانا طاہر لاہوری (جو بعد میں حضرت مجددؒ کے اجلۂ خلفاء میں ہوئے) مولانا حاجی محمدؒ، مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے، ذکر ومراقبہ کا حلقہ قائم ہوتا اور مجالس صحبت گرم رہتیں۔[3]

حضرت مجددؒ ابھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی اطلاع ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک اضطرابی واضطراری حالت میں دہلی کی طرف عنان سفر موڑ دی، راستہ میں سرہند پڑتا تھا، لیکن گھر نہ گئے پہلے اپنے شیخ ومرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشدزادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز دہلی میں قیام

۱ے ملاحظہ ہو مکتوب ۴۳، دفتر دوم ۲ے زبدۃ المقامات ص ۱۵۷

۳ے زبدۃ المقامات ص ۱۵۸، روضۃ القیومیہ میں ہے کہ اس سفر میں خان خاناں اور مرتضےٰ خاں (سید فرید) بھی حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے ص ۱۱۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا، اور تربیت وارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے ارتحال سے سونی ہوگئی تھی، دوبارہ آباد اور مغموم ومجروح دل شگفتہ اور تازہ ہوگئے۔[1]

کچھ روز قیام فرماکر آپ سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دو۲ تین۳ مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، آخر عمر میں تین۳ سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) بعض شہروں اور مقامات سے آپ کا گذرنا ہوا، تو وہاں کے اہل طلب اور اہل شوق آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔[2]

تبلیغ ودعوت اور ارشاد وتربیت کے وسیع انتظامات اور رجوع عام

۱۰۲۶ھ میں آپ نے اپنے بہت سے خلفاء تبلیغ وہدایت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے، ان میں سے ستر۷۰ مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کئے گئے، چالیس۴۰ حضرات مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس۱۰ ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس۳۰ خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراسان گئے، اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔[3]

بہت سے نامی گرامی علماء ومشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشوار گزار منزلیں طے کرکے سرہند حاضر ہوئے، اور بیعت و استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے

۱؎ زبدۃ المقامات ص۱۵۸ ۔ ۲؎ ایضاً ص۱۵۹ ۔ ۳؎ روضۃ القیومیۃ ص۱۶۶-۱۶۷

جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برسی، مولانا یار محمد، اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو خلافت واجازت عطا فرماکر دعوت وارشاد کے لئے اپنے اپنے مقامات کو واپس کیا۔[1]

ہندوستان میں بھی آپ نے جابجا اپنے خلفاء کو دعوت وارشاد پر مامور فرمایا، خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرماکر دکن بھیجا، ان کی خانقاہ میں کئی کئی سو سوار اور بے شمار پیادہ ذکر ومراقبہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرماکر پہلے سہارنپور پھر شاہی لشکر گاہ (معسکر) آگرہ میں متعین کیا، ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی، میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں تھے، تجدید بیعت واجازت نامہ مرحمت فرماکر برہان پور روانہ فرمایا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے، اور لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی، شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے (جو ہندوستان کا دوسرا علمی وسیاسی مرکز تھا) طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے روانہ فرمایا، اور ان سے اس دیار میں بڑا فیض پہنچا، شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرماکر شہر پٹنہ روانہ فرمایا اور ان سے ان دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادۂ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا، شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کراکے اور تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر بنگالہ روانہ کیا، شیخ طاہر بدخشی کو تکمیل حال کے بعد تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا، مولانا احمد برکی تعلیم وتربیت میں مجاز ہونے کے بعد برک

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روضۃ القیومیۃ ص۱۲۸، ۱۲۹ "حضرات القدس" میں بھی خلفاء کے ضمن میں متفرق طور پر ان کے مختلف مقامات کی طرف روانہ کرنے اور ارشاد وتربیت پر مامور کرنے کا ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حضرات القدس ص۲۹۹ تا ۳۶۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہونچ کر ارشاد و تربیت میں مشغول ہو گئے، اور اپنے مریدوں کے احوال بذریعۂ مکاتیب حضرت کی خدمت میں لکھتے رہے، شیخ عبدالحی حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندہ تھے، مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے، حضرت نے آپ کو تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، شیخ عبدالحی شہر کے درمیان تشنگان طریقت کی پیاس بجھاتے تھے، اور شیخ نور محمد دریائے گنگا کے کنارے ارشاد و تربیت کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے، شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طریق و سنت پر مامور تھے، سید محب اللہ مانکپوری کو خلافت عطا کر کے مانکپور روانہ کیا، پھر حضرت کی اجازت سے وہ الہ آباد منتقل ہو گئے، شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی توجہات خصوصی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہو گئے[۱] ۱۰۲۷ھ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مجدد کی جلالت شان اور قوت ارشاد و حسن تربیت کا آوازہ بیرون ہند تک پہونچ چکا تھا، لوگ جوق در جوق زیارت و استفادہ کے لئے آنے لگے، ماوراء النہر، بدخشاں، کابل اور بعض دوسرے عجمی ممالک کے بہت سے شہروں میں آپ کے خلفاء موجود تھے، اور عرب ممالک تک بھی آپ کی شہرت پہونچ گئی تھی، ہندوستان میں تو مشکل سے کوئی شہر ہو گا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی اللہ دینے والے موجود نہ ہوں۔

سلطانِ وقت جہانگیر کا رویہ

۱۰۱۴ھ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نورالدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصۂ حیات تنگ ہوا، اور اس عظیم ملک میں (جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادمین اسلام کے پسینہ، اور اہل باطن و

[۱] حضرات القدس الحضرة الثانیۃ عشرۃ فی بیان احوال خلفائہ، و دیگر کتب۔

اہلِ قلوب کے اشک سحر گاہی سے سیراب و بار آور کیا گیا تھا) اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا، وہ آپ کے درد مند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن کچھ تو اپنی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لئے کہ وہ فتنہ اپنے شباب پر تھا، اور ابھی وہ سِرا ہاتھ میں نہیں آیا تھا جس کے ذریعہ آپ سلطنت اور اس کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں، آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا، اور اگر فرمایا تو تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خانِ خاناں سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل تھا، اور حضرت مجدد کی عظمت و عقیدت بھی ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

جہانگیر کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی عناد نہ تھا، بلکہ ایک طرح کی سلامت روی اور حسن اعتقاد تھا، اور اس کو کسی نئے دین و آئین کے جاری کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کا عمل اپنے جدامجد کی اس ہدایت پر تھا کہ ؎

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے بادشاہ کی اس سادہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے، اور جس کی تفصیل آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ آپ یہ انقلاب انگیز کام شروع کریں، گوالیار کی اسیری کا واقعہ پیش آ گیا جو کئی حیثیتوں سے حضرت مجدد کی حیات اور اس عہد کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض سیر و سوانح کی عام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جہانگیر کے سامنے مکتوبات کے وہ نازک مضامین پیش کئے گئے جن کا سمجھنا تصوف کی اصطلاحات و دقائق اور لکھنے والے کے غرض و منشاء کے سمجھنے پر موقوف ہے اور جو درحقیقت وہ عبوری مکشوفات و محسوسات تھے جو سالک کو اپنے سیر و سلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں اور جن کی اپنے شیخ و مربی کو اطلاع دینی ضروری ہے۔[1]

جہانگیر کے لئے ان مضامین میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھے اور جن میں ایک سادہ لوح سنی العقیدہ مسلمان کے لئے جو کشف، واقعہ اور عبور و استقرار کے فرق کو نہیں جانتا، وحشت و تشویش کے پورے اسباب موجود تھے، اس نے ان میں بڑے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا، اور ان کو جمہور مسلمین و اہل سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف سمجھا اور ادعاء و خود پرستی پر محمول کیا، اپنی توزک میں اس نے جہاں واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس میں اس کی حیرت و استعجاب صاف جھلکتا ہے، مجدد صاحب کا ذکر اس نے بہت نامناسب انداز اور کسی قدر تحقیر آمیز طریقہ پر کیا ہے،[2]

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱ دفتر اول بنام حضرت مرشد خواجہ باقی باللہ۔

جہانگیر کے علاوہ جو اس کوچہ سے نابلد تھا، بعض اچھے راسخ العلم حضرات کو بھی ان مضامین کو پڑھ کر بڑا اشکال پیش آیا، ان میں اس عہد کے نامور عالم ناشر علم حدیث اور جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ عبدالحق بخاری دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عرصہ تک ان کو اس بارہ میں بڑا تردد رہا، اور ان کی اور حضرت مجدد کی مراسلت بھی ہوئی، آخر میں ان کو اس بارے میں اطمینان و شرح صدر ہو گیا جس کا اظہار انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا، ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق کی روایت ہے کہ:۔

"یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچی ہے کہ ایک شخص حسن خاں نامی پٹھان جو حضرت شیخ (مجدد) کے مریدوں میں تھا، کسی بات پر آزردہ و ناراض ہو کر چلا گیا، اور شیخ کے مکتوبات میں جن کا ایک قلمی مجموعہ اس کے پاس تھا، تحریف و اضافہ کر کے مسخ شدہ حالت میں جابجا پھیلا دیا۔" (مناقب العارفین از شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی صـ ۱۲۶)

غلط فہمی اور اس ہنگامہ کی بنیاد یہ تحریف شدہ مکاتیب بھی ہو سکتے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو توزک جہانگیری صـ ۲۷۲-۲۷۳ وقائع سنہ جلوس ۱۴، ۱۰۲۸ھ۔

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجدد صاحب کے مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے، اور وہ ایک تورانی مغل امیر کے قلم سے جو مسلمانوں کے عام عقائد کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور اپنے کو ان کا حامی و محافظ سمجھتا ہے، بے تکلف اظہار خیال کر رہا ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو لشکر شاہی میں جو قبولیت حاصل ہوئی تھی، اور اعیان سلطنت کی ان کے یہاں بکثرت آمد و رفت شروع ہو گئی تھی، اس کو بھی لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، اور اس سے خطرہ ظاہر کیا، یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مجدد شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں، اور بغاوت کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ بدیع الدین سے اپنے جوش عقیدت میں بھی بعض بے احتیاطیاں ہوئیں، اور انھوں نے اپنے بعض وقائع و کشوف "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کی نصیحت پر عمل نہ کرتے ہوئے ایسے بیان کئے جو خواص کالعوام اور عوام کالانعام کے فہم و ادراک سے بالاتر اور محل قیل و قال تھے،[1] اس کا اثر حضرت مجدد تک بھی پہونچا، جہانگیر اس کوچہ سے بالکل ناآشنا تھا، اور دربار میں اس کے کان بھرنے والے بھی موجود تھے، اور چونکہ مجدد صاحب تشیّع کے ان اعتقادی اور علمی اثرات کا مقابلہ کرتے تھے، جو ایرانی عنصر کے ہندوستان میں آنے اور دربار پر حاوی ہو جانے کے بعد سے مسلم معاشرہ پر چھائے چلے جا رہے تھے، اور عقائد اہل سنت کی صاف صاف تبلیغ فرماتے تھے، اس سے اگر دربار کے بارسوخ ایرانی عنصر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا ہو تو تعجب نہیں، مسئلہ کو سیاسی رنگ دینے کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی، اور جہانگیر نے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا، اور آپ کی سرگرمی و مصروفیت اور اسی کے ساتھ شہرت و مقبولیت نقطۂ عروج پر، شاید اس میں بھی

---

[1] زبدۃ المقامات صـ ۳۴۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت الٰہی تھی کہ اس عظمت و عروج کے عین شباب کے زمانہ میں آپ کو اس ابتلاء و امتحان میں ڈال کر وہ مقامات عبدیت طے کرائے جائیں اور روحانی ترقی کے اس مقام پر پہونچایا جائے جو عادۃً اس مجاہدہ و امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

گوالیار کی اسیری کے اسباب

تاریخ و سوانح کی عام کتابوں میں اسیری اور قلعۂ گوالیار میں نظر بند کئے جانے کا سبب اسی خاص مکتوب کے (جو حضرت نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا تھا) وہ نازک مضامین، مکاشفات اور سیر و سلوک کے سلسلہ کی ان دقیق باتوں ہی کو ٹھہرایا گیا ہے جن سے آپ کا بہت اکابر امت سے عالی مقام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لیکن راقم سطور کو اس میں بہت شبہ ہے کہ حضرت مجدد کو یہ ابتلاء محض اس غلط فہمی میں پیش آیا، اور اس کا سبب جہانگیر کی دینی حمیت اور جمہور اہل سنت کے عقائد و مسلمات کی حمایت تھی، یا یہ محض علمائے دربار یا اس عہد کے قابل احترام علماء و مشائخ کے اصرار و تقاضہ سے کیا گیا، جہانگیر کسی زمانہ میں بھی اس دینی مزاج کا آدمی نہیں تھا، اور اس کی دینی حس کبھی اتنی تیز اور نازک نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھا، اور جس کا امور سلطنت اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایک ایسی بلند پایہ دینی شخصیت کے خلاف اتنا بڑا اقدام کرے جو ہزاروں آدمیوں کی محبت و عقیدت کا مرکز تھی۔

اس سے پہلے اس کے والد اور دادا کے زمانہ میں شیخ محمد غوث گوالیاری معراج کا دعویٰ کر چکے تھے، اور اس کی وجہ سے علماء کے حلقہ میں شورش و بےچینی تھی[1]، اور ان پر فتوے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد مسعود صاحب کی کتاب "شاہ محمد غوث گوالیری" مطبوعہ کراچی۔

لگائے جا رہے تھے، لیکن نہ ہمایوں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور نہ اکبر نے، خود جہانگیر کے زمانہ میں بہت سے مشائخ وحدۃ الوجود کے آخری حدود "عینیت" اور "مساوات" تک پہونچ گئے تھے، اور اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اسی کے زمانہ میں شیخ محب اللہ الٰہ آبادی[1] نے عربی میں کتاب "التسویۃ" لکھی اور فارسی میں اس کی شرح کی، لیکن جہانگیر نے ان تحقیقات و غریب اقوال کا کوئی نوٹس نہیں لیا، یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متنازعہ فیہ مکتوب ۱۱ (جس کو اس پورے قصہ کی بنیاد بنایا گیا ہے) حضرت خواجہ کے نام ۱۰۱۲ھ کا لکھا ہوا ہے، اور گرفتاری سولہ (۱۶) سال بعد ۱۰۲۸ھ میں عمل میں آئی۔

راقم سطور کے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت مجددؒ کے ارکان سلطنت اور امرائے دربار سے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے، اور ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی، جو ایک ایسے ذکی الحس حکمراں کے لئے جو اپنے والد کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا، اور بیٹوں سے زور آزمائی کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، وسوسہ اندازی کے لئے کافی تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ جہانگیر کو ان مؤثر اور ولولہ انگیز خطوط کا بھی علم ہو گیا ہو، جو حضرت مجددؒ نے ان ارکان سلطنت کو اصلاح حال اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی حمیت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے تھے۔

ان امرائے دربار اور ارکین سلطنت میں خان اعظم مرزا عزیز الدین، خاں جہاں خاں لودھی، خان خاناں مرزا عبدالرحیم، مرزا داراب، قلیج خاں وغیرہ تھے[2]۔

مغل سلاطین مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت، رجوع عام اور ان کے گرد لوگوں کے پروانہ وار جمع ہو جانے سے ہمیشہ خائف رہے، مجدد صاحب کے خلیفۂ کبیر حضرت سید آدم بنوری کے ساتھ بھی پیش آیا، وہ جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے تو ان کی

---

[1] متوفی ۱۰۵۸ھ [2] اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جہانگیر "تزک" میں خود لکھتا ہے کہ شیخ کے خلفاء ہر دیار اور ہر قریہ میں متعین ہیں" (ص ۲۷۳) نیز یہ کہ اس گرفتاری کی مصلحت یہ ہے کہ "شورش عوام نیز فرو شود" (ص ۲۷۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم کابلی میں دس ہزار[1] سادات و مشائخ اور مختلف طبقوں کے عقیدت مند تھے، اس وقت شاہجہاں لاہور ہی میں تھا، اس کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی، غالباً یہی وجہ تھی کہ جہانگیر نے گوالیار کی نظر بندی ختم کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت کو اپنے لشکر میں سفر و حضر میں ساتھ رکھا تاکہ وہ امراء و ارکان سلطنت کے تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ کرسکے، اور اس کا اطمینان کرے کہ آپ سے سلطنت و اقتدار کے لئے کوئی خطرہ نہیں، اور نہ آپ سے کوئی مخالف عنصر یا حوصلہ مند یا طالع آزما فائدہ اٹھا سکے گا، اس کو جب حضرت کے طرز عمل سے اس کا اطمینان ہوگیا، اور اس نے آپ کے اخلاص، للّٰہیت، بے لوثی، اور بے غرضی اور علو مقام کا مشاہدہ کیا، اور اس کو بچشم خود دیکھ لیا کہ آپ دنیا کی شوکت و حشمت کو خس و خاشاک کے برابر نہیں سمجھتے، تو اس نے آپ کو سرہند میں آزادانہ طریقہ پر قیام کی اجازت دی۔

قلعۂ گوالیار کی نظر بندی

بہر حال جہانگیر نے حضرت مجدد کو اپنے مستقر پر طلب کیا اور حاکم سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے آپ کو وہاں بھجوا دے، آپ حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگئے، بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا، اپنے محل کے قریب خیمہ نصب کرایا، اور ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا، آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آداب شاہی جو خلاف شرع تھے، آپ نے ادا نہ کئے، ایک ناخدا ترس درباری نے بادشاہ کو متوجہ کیا اور کہا کہ جہاں پناہ شیخ نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی، بادشاہ نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا اور

رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے، اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو[1]، آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا، بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔[2]

اس واقعہ سے پہلے شاہ جہاں نے (جس کو حضرت سے عقیدت و خلوص تھا) علامہ افضل خاں اور خواجہ عبد الرحمٰن مفتی کو کتب فقہ اور اس پیغام کے ساتھ حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا کہ سجدۂ تحیہ سلاطین کے لئے آیا ہے، اگر آپ سجدہ کر لیں تو میں اس بات کا ضامن و ذمہ دار ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ محض رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔[3]

گرفتاری کا یہ افسوسناک واقعہ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کی کسی تاریخ کو پیش آیا، اس لئے کہ جہانگیر نے اسی مہینہ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے، قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کرلی گئیں، اور متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔[4]

زندان گوالیار میں سنت یوسفی

گوالیار کی یہ نظر بندی اللہ تعالےٰ کی بہت سی حکمتوں اور دینی مصالح پر مبنی تھی، اور ترقیات باطنی و ازدیاد مقبولیت و محبوبیت کا موجب، یہاں اس یوسف زندانی نے یوسف کنعانی کی طرح اپنے رفقائے زنداں میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے

---

[1] یہ درباری سجدہ اکبر کے زمانہ سے رائج تھا، اور شاہی آداب میں شامل تھا، اورنگ زیب نے اس کو ختم کیا۔

[2] حضرات القدس ص ۱۱۷ [3] ایضاً ص ۱۱۶ [4] توزک جہانگیری ص ۲۷۲-۲۷۳ و مکتوب ۲ دفتر سوم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع کردیا، اور پسِ زندان "یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" کی آواز اس بلند آہنگی سے بلند کی کہ قلعہ کے در و دیوار گونج اٹھے، اور ان کی آواز باہر بھی سنی گئی، کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت تبلیغ اور صحبت و تربیت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے، اور سیکڑوں قیدی ارادت و صحبت سے سرفراز ہو کر درجاتِ عالیہ تک پہونچے، ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں ہے:۔

"شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ - ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے، جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کرا دیا، دو برس وہ قید میں رہے، اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقائے زنداں میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنالیا۔"

(ص ۴۱۲ طبع ثالث)

اس طرح انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (ENCYCLOPEDIA OF RELIGION - AND ETHICS) (مذہب و اخلاقیات کا دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے:۔

"ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا، جو ناحق قید کر دیئے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔"[1]

ج ۸ ص ۷۴۸

لہ ماخوذ از مضمون "حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں" بقلم مولانا عبد الماجد دریابادی "الفرقان" مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ۔

دورانِ اسیری کی نعمتیں اور لذتیں

زندان گوالیار کے اس چند روزہ مہمانی سے حضرت مجدد پر انعامات الٰہیہ کی جو بارش ہوئی اور آپ کو جو باطنی ترقیات، حقیقی شکستگی اور وارستگی کی لذت اور خلوت میں جلوت کی جو نعمت حاصل ہوئی، اس کا حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام خطوط میں تحدیث بالنعمت کے طور پر بڑے مزے لے لے کر ذکر کیا ہے، میر محمد نعمان کے نام ایک طویل مکتوب میں جو قلعۂ گوالیار سے بھیجا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر محض فضل خداوندی سے فیوض و واردات الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات وعطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدہ میں مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس و ناامیدی کی حد کو پہونچ جاتا، اور رشتۂ امید شکستہ ہو جاتا، حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی، اور ظلم و جفا میں عزت بخشی، مشقت و تکلیف میں مجھ پر احسان کیا، اور راحت و مصیبت میں شکر کی توفیق دی، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں اور اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا، اس سبحانہ وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اولاً اور ان کے متبعین پر ثانیاً۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے حکم سلطانی سے محبوس ہونے کی شہرت جب عام ہوئی تو اس پر طرح طرح کے تبصرے شروع ہوئے، لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے، اور

لہ مکتوب ۵ دفتر سوم حصہ ہشتم، اردو ترجمہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کے مضمون "امام ربانی" سے ماخوذ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیاس آرائیاں کیں، خدام ومحبین کو اس سے قدرۃً اذیت پہونچی، اس تنقید وملامت خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مخلص شیخ بدیع الدین کو اسی قید خانہ سے لکھتے ہیں:۔

"جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہونچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامتِ خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہونچ رہے ہیں، اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جارہے ہیں، برسوں تربیت جمال سے میری منزلیں طے کرائی گئیں، اب تربیت جلال سے قطع مسافت کرائی جارہی ہے، لہٰذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں، اور جمال وجلال کو مساوی جانیں۔"[۱]

حضرات صاحبزادگان والاشان کو بھی قید خانہ سے صبر وتسکین اور شکر ورضا کی ہدایت فرماتے رہے، اور توجہ الی اللہ، دعا ومناجات اور ذکر وتلاوت اور ماسوا اللہ کی نفی اور اپنی تعلیم وتکمیل میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔[۲]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے اس حبس بے جا کا اثر ہندوستان کے صحیح الاعتقاد امراء اور ارکین سلطنت پر بڑا پڑا، بعض جگہ شورش اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے،[۳] عبدالرحیم خانِ خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی وغیرہ بھی جہانگیر کے اس اقدام سے آزردہ تھے، اس شورش وانتشار کی معاصر تاریخ سے زیادہ شہادتیں نہیں ملتیں، اور وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا حضرت مجدد کی

۱؎ مکتوب ۲۷ دفتر سوم حصہ ہشتم ۲؎ مکتوب ۸۲ دفتر سوم حصہ ہشتم بنام حضرت خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم۔

۳؎ اس سلسلہ میں مہابت خاں کی بغاوت کا بھی حوالہ دیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ مہابت خاں کی بغاوت کا واقعہ ۱۰۳۵ھ کا ہے، جب کہ حضرت مجددؒ کی رہائی کو ۴-۵ برس ہو چکے تھے، اور آپ اس دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

اسیری سے کتنا تعلق تھا:۔

بہر حال بادشاہ کو (کسی وجہ سے بھی[۱]) اپنے اس اقدام سے ندامت ہوئی یا اس نے اتنی مدت کی اسیری کو کافی سمجھا اور آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرکے تشریف لانے کی دعوت دی حضرت مجدد کامل ایک سال قلعۂ گوالیار میں رہے، اس طرح آپ کی رہائی جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ (مئی ۱۶۲۰ء) میں ہوئی ہوگی۔

لشکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات وبرکات

حضرت مجدد بڑی عزت واحترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے، تین یوم سرہند قیام فرماکر معسکر شاہی آگرہ میں تشریف لے گئے، ولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا، مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، آپ نے منظور فرمایا، اس رفاقت سے بادشاہ اور اہل لشکر کو بہت نفع پہونچا، جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ میں نے خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور جانے اور ساتھ رہنے کا اختیار دیا، انھوں نے ہمرکابی کو ترجیح دی[۲]۔

حضرت مجدد نے لشکر کی اس رفاقت اور اس کے فوائد وبرکات کے متعلق صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ لشکر میں اس طرح بے اختیار ولے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں، اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔[۳]

۱؎ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کو خواب میں زیارت نبوی ہوئی اور اس نے دیکھا کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم بطور تأسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرمارہے ہیں کہ "جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کردیا"۔

۲؎ توزک جہانگیری ج ۲ صفحہ ۱۶۱ (انگریزی ترجمہ) ۳؎ مکتوب ۴۳ دفتر سوم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالٰے کی عنایت سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرِمو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالٰے کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے"۔[1]

ایک شاہی مجلس کے بارے میں جو اسی زمانہ میں پیش آئی تھی، ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"فرزندان گرامی کا صحیفۂ شریفہ پہونچا، اللہ تعالٰے کی حمد ہے کہ صحبت و عافیت سے ہے، ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں، اچھی طرح سماعت کریں، آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا، ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا، اور تین سی پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی"۔[2]

ایک دوسرے مکتوب میں جو خواجہ حسام الدین کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

"برخورداران و رفقاء میں سے جو بھی ساتھ ہے ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے"۔[3]

لشکر شاہی کے ساتھ لاہور پہونچے، وہاں سے سرہند کوچ ہوا، سرہند میں حضرت نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، حضرت کی خواہش سرہند رہ جانے کی تھی لیکن بادشاہ نے

---

[1] مکتوب ۱۰۶ دفتر سوم [2] مکتوب ۷۶ دفتر سوم، عبارتوں کے تراجم "حضرت مجدد الف ثانیؒ" تالیف مولانا سید زوار حسین سے ماخوذ ہیں۔ [3] مکتوب ۷۲ دفتر سوم۔

آپ کی جدائی گوارا نہ کی وہاں سے دہلی روانگی ہوئی، مختلف مقامات پر مختصر قیام بھی رہا۔

جہانگیر پر اثر

بعض کتابوں میں جو زمانۂ حال میں حضرت مجدد کی سوانح حیات میں لکھی گئی ہیں جہانگیر کی حضرت کے ساتھ گہری عقیدت اور باقاعدہ بیعت و ارادت کو دکھایا گیا ہے لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت نہیں ملتا، توزک میں جہانگیر نے کئی مقامات پر جس انداز میں حضرت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، وہ نشۂ سلطانی میں کتنا ہی مست ہو اور اس کا انداز تحریر کیسا ہی شاہانہ ہو وہ اپنے شیخ کا اس انداز میں ذکر نہیں کرسکتا، پروفیسر فریان نے اپنی کتاب (ص ۳۶،۳۵) میں بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جہانگیر کی ارادت ثابت نہیں، اور اس میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا، دوسرے قدیم سوانح نگاروں نے نہ جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے، نہ شاہ جہاں کی، البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہانگیر نے اس رفاقت سے فائدہ اٹھایا، اس کے اندر نئے دینی رجحان پیدا ہونے، منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دلچسپی میں اس کو بہت دخل تھا، ۱۰۳۱ھ میں قلعہ کانگڑہ کی فتح کے موقعہ پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا، اور وہاں شعائر اسلام کا اجراء کرایا،[1] اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جس کو مجدد صاحب کی شرف ہمرکابی کا فیض کہا جاسکتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو توزک جہانگیری ص ۳۴۲ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہفتم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُربِ سفر اور اس کے انتظامات

خواجہ محمد کشمی لکھتے ہیں کہ ۱۰۳۲ھ تھا، اور آپ اجمیر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ سفرِ آخرت کے دن قریب ہیں، مخدوم زادگان کو جو اس وقت سرہند میں تھے، ایک خط میں تحریر فرمایا کہ "ایامِ انقراضِ عمر نزدیک و فرزندان دور" (زندگی کے اختتام کے دن قریب ہیں اور فرزند دور) صاحبزادگان اس خط کو پاتے ہی اجمیر حاضر ہوئے، ایک دن خلوت میں دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) سے فرمایا کہ "مجھے اب اس دنیا سے کسی طرح کی دلچسپی اور اس کی طرف التفات نہیں، اب اس عالم کا خیال غالب ہے، اور سفر کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں"[1]۔

حضرت مجدد کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں دس ماہ ۸ یا ۹ دن رہا[2]، جب اجمیر سے سرہند معاودت فرمائی تو وہاں پہونچ کر تمام تعلقات سے انقطاع فرمالیا اور خلوت اختیار کرلی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین مخصوص خادموں[3] کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی، سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے باہر تشریف نہیں لاتے تھے، سارا وقت ذکر و استغفار[1] اور ظاہری و باطنی مشغولی میں گزرتا جو "وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا" (اور سب سے منقطع ہو کر

---

[1] زبدۃ المقامات ص۲۸۳ [2] "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" ص۱۶۴-۱۶۵

[3] انہی خوش نصیبوں میں خواجہ محمد ہاشم کشمی بھی تھے لیکن وہ وفات سے سات ماہ پہلے رجب ۱۰۳۳ھ میں اپنے اہل و عیال کو دکن سے لانے کے لئے (جہاں اس زمانہ میں بدامنی و انتشار تھا) چلے گئے، اس عرصہ میں شیخ بدرالدین سرہندی حاضرِ خدمت رہے، اور زندگی کے آخری ایام کے حالات "زبدۃ المقامات" میں انہی کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اس میں صاحبزادگانِ عالی شان کی دی ہوئی معلومات بھی ہیں۔

اسی کے ہو رہو) کی تفسیر تھی۔

وسط ذی الحجہ سے ضیق النفس کے عارضہ میں شدت ہوئی، گریہ کا غلبہ ہوتا، اور جب ضعف کی شدت ہوتی تو "اللهم الرفيق الأعلى" زبان پر جاری ہوتا، اسی عرصہ میں چند دن صحت کے ساتھ گزرے، اور مغموم و مجروح دلوں کو کچھ تسکین ہوئی، اسی حالت میں فرماتے تھے کہ "ضعف کی شدت میں وہ حلاوت و لذت محسوس ہوتی تھی جس کا اس چند روزہ صحت میں پتہ نہیں" اس حالت میں بکثرت صدقہ اور خیرات فرمائی، ۱۲ محرم کو فرمایا کہ "مجھے بتایا گیا ہے کہ پینتالیس[4] دن کے اندر تمہیں اس عالم سے دوسرے عالم کا سفر کرایا جائے گا، اور مجھے قبر کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے" ایک دن صاحبزادگان نے دیکھا کہ آپ پر گریہ غالب ہے، انھوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ شوقِ وصال! صاحبزادوں نے کہا کہ ہمارے حق میں اس قدر (خلافِ معمول) بے مہری و بے التفاتی کیوں ہے؟ فرمایا کہ "اللہ کی ذات تم سے زیادہ محبوب ہے"۔

۲۲ صفر کو خدام و اعزہ سے فرمایا کہ آج چالیس[4] دن پورے ہو گئے، دیکھا چاہئے کہ اس سات، آٹھ دن میں کیا پیش آتا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کی عنایات بے غایات اور انعامات بے حساب کا تذکرہ فرماتے رہے، ۲۳ صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدام کو تقسیم کر دیئے، جسم مبارک پر چونکہ کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا، ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا، اور دوبارہ بخار ہو گیا[1]، اور جیسا کہ حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بیماری سے قلیل افاقے کے بعد دوبارہ ناساز ہوا، یہ سنت بھی ادا ہوئی۔

اس ضعف کی حالت میں علوم عالیہ کا افاضہ شدت کے ساتھ تھا، صاحبزادہ عالی قدر

---

[1] مہینہ غالباً نومبر کا تھا، اس لئے کہ انتقال دسمبر کے مہینہ میں ہوا ہے، اس علاقہ میں یہ مہینہ سردی کا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ محمد سعید نے عرض کیا کہ حضرت کا ضعف اس گفتگو کا متحمل نہیں، ان حقائق و معارف کے بیان کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھیں! فرمایا کہ فرزند عزیز! اب وقت و فرصت کس کو ہے کہ دوسرے وقت پر ان مضامین کو اٹھا رکھا جائے؟ غلبۂ ضعف کے ان دنوں میں بھی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں فرمائی، صرف زندگی کے آخری چار پانچ دنوں میں لوگوں کے کہنے سننے سے تنہا پڑھی، ادعیہ اور اد ماثورہ اور ذکر و مراقبہ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا، شریعت و طریقت کے آداب و احکام میں سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ایک رات ثلث اخیر میں اٹھ کر وضو فرمایا، تہجد کھڑے ہو کر پڑھی، فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے، اور یہی ہوا کہ اس کے بعد تہجد کی نوبت نہیں آئی۔

وصال سے کچھ پیشتر غیبت اور استغراق کا غلبہ ہوا، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ یہ استغراق و غیبت آپ کو ضعف کی وجہ سے ہے یا استغراق کی وجہ سے؟ فرمایا استغراق کی وجہ سے بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں، اس حالتِ ضعف و شدت و علالت میں سنت کی پابندی، بدعت سے اجتناب اور دوام ذکر و مراقبہ کی وصیت فرماتے تھے، ارشاد فرماتے تھے کہ سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہئے، فرمایا کہ صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام نے "الدین النصیحۃ" کے مطابق امت کی خیر خواہی اور نیک صلاح کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دین کی معتبر کتابوں سے متابعت کامل کا راستہ حاصل کرنا اور اس پر کاربند ہونا چاہئے، فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے کوئی سنت ترک نہ کی جائے، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ چونکہ میری رحلت تمہاری رحلت سے پہلے ہوتی معلوم ہوتی ہے، اس لئے میرے کفن کا سامان اپنے مہر سے کرنا، یہ بھی فرمایا کہ میری قبر کسی گمنام جگہ پر بنائی جائے، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ پہلے تو حضرت کی

وصیت تھی کہ ہمارے برادر اکبر خواجہ محمد صادق[1] جہاں دفن ہیں وہیں دفن کیا جائے، اب حضرت یوں فرماتے ہیں، فرمایا کہ ہاں، اس وقت مجھ پر یہی شوق غالب ہے، جب آپ نے دیکھا کہ صاحبزادے یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ان کو اس میں تردد ہے تو فرمایا، اگر ایسا نہ کر سکو تو بیرون شہر والد بزرگوار کے پاس یا باغ میں کہیں دفن کر دینا، میری قبر کو خام رکھنا تاکہ تھوڑے دنوں میں اس کا نشان باقی نہ رہے، اس پر بھی جب دیکھا کہ صاحبزادے سوچ میں پڑ گئے تو مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے، جہاں مناسب سمجھو سپرد خاک کر دینا۔

سہ شنبہ کی شب اور ۲۷ صفر کی تاریخ تھی جس کے اگلے روز سفر آخرت تھا، ان خدام سے جنھوں نے راتوں کو جاگ کر خدمت اور تیمارداری کی تھی، فرمایا کہ تم نے بڑی محنت کی بس اس رات کی محنت اور رہ گئی ہے پھر فرصت! آخر شب میں فرمایا "اصبح لیلا" (رات کسی طرح صبح کر) دن ہوا تو چاشت کے وقت پیشاب کے لئے طشت منگوایا جس میں ریت نہیں تھی، چھینٹیں آنے کے خیال سے اس کو واپس کر دیا، کسی نے کہا کہ حکیم کو قارورہ دکھانا چاہئے، فرمایا میں وضو شکست نہیں کرتا، مجھے بستر پر لٹا دو، آپ کو گویا اس کا انکشاف ہو گیا کہ اب کچھ ہی دیر کے بعد اس عالم سے کوچ ہے، وضو کی فرصت نہ ہو گی، جب بستر پر لٹا دیا گیا تو طریقۂ مسنون کے مطابق دائیں رخسارے کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے، مخدوم زادوں نے سانس کی تیزی دیکھ کر عرض کیا کہ مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ہم اچھے ہیں! فرمایا کہ میں نے جو دو رکعت نماز پڑھی ہے کافی ہے، اس کے بعد سوائے اسم ذات کے ذکر کے کوئی بات نہیں فرمائی ایک لمحہ کے بعد جان جاناں کو سپرد کر دی، یہ واقعہ روز سہ شنبہ چاشت کے وقت ۲۸ ماہِ صفر ۱۰۳۴ھ کا ہے[2]۔

---

[1] حضرت مجدد کے فرزند اکبر جن کا انتقال ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں ہوا۔

[2] مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہ روح نے قفص عنصری سے اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کی" یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً" اس وقت عمر مبارک ترسٹھ[۶۳] سال تھی[۱] صفر کا وہ مہینہ ۲۹ کا تھا، دوسرے دن ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو رہا تھا۔

جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے ہیں، مخدوم زادوں نے انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دیئے لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک پہلی ہئیت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ تبسم فرما رہے ہیں گویا ہ

ہم چناں زی کہ وقت رفتن تو

ہمہ گریاں شوند تو خنداں

ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آجاتے تجہیز و تکفین کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور جسد مبارک کو آخری آرامگاہ میں پہونچا دیا گیا۔[۲]

عادات و معمولات

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو حضرت مجدد کی خدمت میں ان کی آخری حیات میں تین[۳] سال سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، حضرت کے عادات و معمولات کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے،[۴]

لہ مولانا زید ابوالحسن صاحب کی تحقیق ہے کہ عمر شریف قمری حساب سے باسٹھ[۶۲] سال چار[۴] ماہ چودہ[۱۴] دن اور شمسی حساب سے ساٹھ[۶۰] سال چھ[۶] ماہ پانچ دن کی ہوئی (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین) صہ ۲۳ ۔ ۲ے ملخصاً از زبدۃ المقامات صہ ۲۵۶ تا ۳۰۰ ۔ ۳ے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات صہ ۱۹۲ ۔ ۲۱۵

یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے، قدرے اضافہ مولانا بدر الدین سرہندی کی کتاب "حضرات القدس" سے کیا گیا ہے۔[۱]

"حضرت کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے وہ سب فضل خداوندی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جا سکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے جس پر مدار کار سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے، اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، جزئیاً وکلیاً، اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس وجہ سے کہ بحکم بشریت اتباع کامل میں نقص و فتور ہونے کی وجہ سے ایک روز فرمایا کہ ایک دن سہواً جائے ضرور میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صالح ختلانی سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سی لونگیں لے آؤ! وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ وتر و یحب الوتر" رعایت وتر مستحب ہے مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا و آخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دے دیا جائے جو اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنائیے، انھوں نے کہا کہ مجھ بے بصیر کو کیا نظر آسکتا ہے، لیکن میں نے اتنا دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فروگذاشت نہیں فرماتے، کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت مشکل ہے۔

لہ "حضرات القدس" کی عبارت واوین " " کے درمیان کردی گئی ہے، اور اس کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ مضمون ہے وہ زبدۃ المقامات سے ماخوذ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے حاضر باش نے کہا کہ ان حضرات کے احوال باطنی ہمارے ادراک سے بالاتر ہیں، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کے حالات دیکھ کر اولیائے متقدمین کے حالات پر (جو کتابوں میں لکھے گئے ہیں) یقین آگیا، اور معلوم ہوا کہ ان میں مبالغہ نہیں تھا، بلکہ احساس ہوا کہ لکھنے والوں نے کم لکھا ہے، سارا دن اسی مشغولی میں گزرتا، ایک خادم خاص نے (جس سے وضو جانماز اور عبادات کے سلسلہ کی خدمات متعلق تھیں) کہا کہ صرف قیلولہ کے وقت اور رات کے ثلث دوم میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام و رفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر، حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے، اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اور مزرعۂ آخرت حضور باطن کو آداب و اعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہئے، حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علو مرتبہ کے) پائے مبارک کثرت عبادت سے متورم ہوجاتے تھے۔

اگرچہ حضرت کو مسائل فقہیہ کا استحضار تھا، اور اصول فقہ میں ملکۂ تامہ رکھتے تھے، لیکن بربنائے احتیاط مسائل میں معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے، اور سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھتے، عمل مُفتیٰ بہ قول اور فقہائے کبار کے ترجیح دیئے ہوئے مسئلہ پر ہوتا، اکثر خود امامت فرماتے، اور اس کی حکمت ایک مرتبہ ارشاد فرمائی کہ "حضرات شافعیہؒ و مالکیہؒ کے یہاں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے وہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، اور بہت سی احادیث صریحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اور جمہور فقہائے حنفیہؒ کا بھی یہی مذہب ہے، چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے اس کی آسان صورت یہی معلوم ہوئی کہ خود امامت کروں"[1]

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اسی فصل میں دوسری جگہ لکھا ہے "و فاتحہ خلف الامام ہمی خواندند و آں را مستحسن ہمی شمردند" ص ۲۰۹۔

گرمی ہو، سردی ہو، حضرت کا سفر و حضر میں معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے اس وقت کے لئے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں، وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام و احتیاط (اسباغ وضو) کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پورے طور پر پہونچ جائے، دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے، اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں، وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور و جمعیت اور طول قرأت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع و استغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہوجاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھپکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے، تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے "سنت و فرض کے درمیان سرّی طریقہ پر "سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم" پڑھتے رہتے، فجر کی نماز آخر غلس (اندھیرے) اور اول اسفار (روشنی) میں ادا کرتے تاکہ غلس و اسفار کے بارے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہوجائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل[1] (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پڑھتے تھے"[2] فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور تسبیحات و ادعیۂ ماثورہ سے فارغ ہوکر دولت خانہ میں تشریف لاتے، اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر خبر لیتے، اور جو امور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے متعلق ہدایات دیتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے، اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوت قرآن میں مشغول ہوجاتے، تلاوت کے بعد طالبین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق و ہدایات فرماتے، اسی وقت اخصّ اصحاب کو بلا کر مضامین و علوم خاصہ سے

[1] سورۂ حجرات سے سورۃ البروج تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں [2] حضرات القدس ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے، اور وہ اپنے حالات وکیفیات سے مطلع کرتے، اور آپ ان کو علو ہمت، اتباع سنت، اور دوام ذکر حضور اور اخفائے حال کی تاکید فرماتے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ساری کائنات اس کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتی جو ایک قطرہ کی دریائے محیط کے سامنے ہے، خدام وحاضرین کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید اور علماء سے احکام شریعت کی تحقیق کی ترغیب فرماتے۔

فرماتے تھے کہ کشف میں ایسا نظر آتا ہے کہ سارا عالم بدعات کے گرداب ظلمانی میں ڈوب گیا ہے، اور اس میں سنت کا نور کرمک شب تاب (جگنو) کی طرح چمک رہا ہے، غیبت اور مسلمانوں کی عیب چینی سے سخت احتراز تھا، خدام بھی آپ کے احترام وہیبت سے آپ کے سامنے کسی کی غیبت نہیں کرسکتے تھے، اپنے حالات وکیفیات کا بے انتہا اخفاء فرماتے تھے، میں نے دو سال کی مدت میں صرف تین چار بار ایسا دیکھا کہ اشک کے چند قطرے چہرۂ مبارک پر ٹپک پڑے ایسے تین چار بار مضامین عالیہ بیان کرتے وقت رخسار مبارک اور آنکھوں میں سرخی دیکھی۔

"ضحوۂ کبریٰ"[1] اور نماز چاشت کے بعد حرم سرا تشریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، صاحبزادوں یا اہل تعلق میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو پیش کرتا فرزندوں اور خدام میں سے اگر کوئی اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے" کھانے میں اکثر کھلانے میں مشغول رہتی اور زیادہ وقت دوسروں کی خبر گیری اور خاطر میں گزرتا بعض اوقات برائے نام تناول فرماتے معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی احتیاج نہیں، محض سنت کی پیروی

[1] ضحوۂ کبریٰ صبح صادق اور غروب آفتاب کے ٹھیک بیچ کا وقت (انتصاف النہار الشرعی وھو الضحوۃ الکبریٰ) شامی ج ا ص ۲۴۸

مقصود ہے"[1] آخری زندگی میں جب گوشہ نشینی اختیار کی اور روزہ رکھنے تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے، کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا (جیسا کہ عام طور پر رواج ہے) معمول نہیں تھا، اس لئے کہ صحیح احادیث میں نہیں آیا ہے" فرائض کے بعد بھی فاتحہ پڑھنے کا جیسا کہ بعض مشائخ کے یہاں دستور ہے معمول نہیں تھا"

دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، موذن ظہر کے اول وقت اذان دیتا، آپ وضو کرکے سنت زوال پڑھتے، ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر کسی حافظ سے ایک پارہ یا کم وبیش سنتے، اور اگر درس ہوتا تو درس دیتے، نماز عصر بھی مثلین ہوجانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب تک اصحاب وخدام کے ساتھ سکوت ومراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے، نماز مغرب کی سنت کے بعد اوابین ادا کرتے، کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نماز عشاء شفق ابیض کے زوال کے بعد فوراً پڑھ لیتے، وتر کی دعائے قنوت میں احناف وشوافع کی دعائے قنوت کو جمع کرکے پڑھ لیتے، نماز وتر کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر کبھی کھڑے ہوکر ادا فرماتے، آخر زمانہ میں شاذ ونادر یہ دو رکعتیں پڑھیں، وتر کے بعد دو سجدے جو متعارف ہیں نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے اور ادعیہ ماثورہ پڑھنے میں مشغول ہوجاتے، درود کثرت سے پڑھتے، خاص طور پر شب جمعہ اور روز جمعہ، شب دوشنبہ اور روز دوشنبہ، تلاوت کے وقت چہرۂ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی وبرکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے، نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے، یا جن آیات میں تعجب و استفہام آیا ہے،

[1] حضرات القدس ص ۸۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا انداز و لہجہ پیدا ہو جاتا، نماز میں تمام سنن و مندوبات اور آداب کی رعایت فرماتے، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے ادا نہ کرتے، لوگوں کو شب عاشورا یا شب قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے۔

مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، زیارت قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے بعض اعلیٰ دینی کتابوں (مثلاً تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری مشکوٰۃ المصابیح، فقہ، و اصول و کلام میں ہدایہ، بزدوی، مواقف اور تصوف میں عوارف المعارف کا درس دیتے لیکن اس میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال نہ ہوتا، اخیر عمر میں درس سے اشتغال کم رہ گیا تھا، طلباء کو تحصیل علوم دینی کی تاکید فرماتے، اور تحصیل علم کو سلوک و طریقہ پر مقدم رکھتے، کثرت سے حمد و استغفار کرتے اور تھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے، تین سے کم ختم قرآن نہ کرتے، خود حافظ قرآن تھے، اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے۔[1] افطار میں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس کا اہتمام فرماتے۔"[2]

"ادائے زکوٰۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذر آتی تو حولان حول یا سال گزرنے کا انتظار نہ کرتے، ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کرکے زکوٰۃ ادا کر دیتے، اور ان میں اہل صلاح، بیوگان اور اہل قرابت کو ترجیح دیتے، حج کا کئی بار عزم مصمم فرمایا، لیکن نوبت نہ آئی ہمیشہ اس شوق میں رہے اور اسی شوق میں اس دنیا سے سفر کیا۔

اخلاق و تواضع، اور خلق اللہ پر شفقت، رضا و تسلیم کی خو انتہا درجہ پر پہونچی ہوئی تھی،

---

[1] زبدۃ المقامات ملخصاً از ص ۱۹۲-۲۱۵ [2] حضرات القدس ص ۹۱

آپ کے اعزہ اور اہل تعلق کو ظالم حاکموں سے بڑی ایذاء پہونچی لیکن تسلیم و رضا سے کام لیا، اور کبھی اس کی شکایت زبان پر نہیں آئی، اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں اس کو جگہ دیتے، اور اسی کے ذوق و مناسبت کی باتیں کرتے، غیر مسلموں کی تعظیم خواہ وہ حاکم ہوں اور جاہ و اقتدار رکھتے ہوں نہیں کرتے تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، یاد نہیں آتا کہ کسی نے سلام میں آپ سے سبقت کی ہو، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے، کسی کے انتقال کی خبر آتی تو متاثر ہوتے اور کلمۂ ترجیع (انا للہ وانا الیہ راجعون) پڑھتے، اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے اور دعا و ایصال ثواب فرماتے۔"[1]

"آپ کا لباس ایک کرتہ جس کے دونوں کاندھوں پر چاک ہوتا تھا، اس کے اوپر ایک عبا، لیکن گرمیوں میں اکثر کرتہ ہوتا، دستار سر پر لپیٹ لیتے، جیسا کہ سنت ہے اور شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان پیٹھ پر پڑا ہوتا (سوائے استنجا اور قضائے حاجت کے وقت) پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، جمعہ اور عیدین میں لباس فاخر پہنتے تھے، جب نیا جوڑا زیب تن کرتے تو پہلا کسی خادم یا عزیز یا مہمان کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو آدمیوں کے قریب ہمیشہ علماء، عارفین، مشائخ، حفاظ و شرفاء و سادات میں سے رہتے تھے، اور سب کو آپ ہی کے مطبخ سے کھانا پہونچتا تھا۔"[2]

حلیۂ مبارک

شیخ بدر الدین سرہندی نے جو حضرت کے خلفاء میں ہیں اور سترہ سال آپ کی صحبت میں رہے "حضرات القدس" میں آپ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے:۔

---

[1] حضرات القدس از شیخ بدر الدین سرہندی مطبوعہ محکمۂ اوقاف پنجاب ۱۹۷۱ء ص ۹۱-۹۲ [2] ایضاً ص ۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت کا رنگ گندم گوں مائل بہ بیاض تھا، پیشانی اور رخسار پر ایسا نور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، کشادہ ابرو تھے، ابرو کمان کی طرح جھکی ہوئی، دراز، سیاہ اور باریک، آنکھیں فراخ اور کشادہ جن میں سیاہی کی جگہ بہت سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت سفید، بینی مبارک بہت باریک، لب سرخ نازک، دہانہ نہ دراز نہ کوتاہ، دانت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور لعل بدخشاں کی طرح چمکتے ہوئے، ڈاڑھی گھنی، باوقار، دراز و مربع تھی، رخساروں پر ریش مبارک کے بال حد سے بڑھے ہوئے نہیں، میانہ قد، نازک اندام تھے۔"[1]

اولادِ امجاد

حضرت مجدد کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے، ان میں تین[3] صغرسنی میں حضرت کی حیات ہی میں فوت ہو گئے، شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، اور شیخ محمد اشرف جو زمانۂ شیرخوارگی میں داغ مفارقت دے گئے، فرزند کلاں خواجہ محمد صادق تکمیل علوم و سلوک کے بعد ۱۰۲۵ھ میں پچیس[25] سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے، تین صاحبزادگان عالی قدر خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، اور خواجہ محمد یحییٰ، رونق بخش حیات رہے، ان چاروں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا ؎

این سلسلہ از طلائے ناب ست

این خانہ تمام آفتاب ست

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو دیکھ کر بلند الفاظ فرمائے تھے، اور "جواہر علویہ" اور "شجرۂ طیبہ" سے تعبیر کیا، اور فرمایا تھا "فقرائے باب اللہ اند دلہائے عجیب دارند"۔

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادق، حضرت مجدد کے سامنے ہی درجۂ کمال کو پہونچ گئے تھے،

---

[1] ایضاً ص ۱۵۵

حضرت نے ان کے متعلق بڑے بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اور ان کی اعلیٰ علمی و باطنی استعداد کی شہادت دی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "فرزند عزیز فقیر کے معارف کا مجموعہ اور جذب و سلوک کے مقامات کا صحیفہ ہے"۔[1]

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، انھوں نے بھی حضرت مجدد کے سلسلہ کی اشاعت اور اہل ارادت و اہل طلب کی تعلیم و تربیت میں خاصہ حصہ لیا۔[2]

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم تھے، جو اپنے والد نامدار کے علوم کے حامل و شارح، رازدار و امین اور خلیفہ و جانشین تھے، آپ سے طریقۂ مجددیہ اور اس کی تعلیم و اثرات کی ایسی عالمگیر اشاعت ہوئی کہ کہنے والے نے صحیح کہا ہے ؎

چراغِ ہفت کشور خواجہ معصوم

منوّر از فروغش ہند تا روم

دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی (اور جس کی مسند ارشاد پر اپنے اپنے وقت میں خواجہ سیف الدین، مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی، اور حضرت شاہ احمد سعید متمکن رہے) آپ ہی کے سلسلہ کی تھی، اسی خانقاہ سے مولانا خالد رومی کردی حضرت شاہ غلام علی صاحب سے سلسلہ کو لے کر شام و ترکی پہونچے، جن کا سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں شہر شہر اور گھر گھر پھیل گیا۔[3]

---

[1] مکتوب ۲۷۷ دفتر اول، فضائل و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات ص ۳۰۳-۳۰۶

[2] آپ کے حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو "زبدۃ المقامات" ص ۳۰۸-۳۱۵

[3] ملاحظہ ہو ان کے مناقب میں علامہ شامی صاحب "شرح در مختار" کی کتاب "سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی"
(باقی ص ۱۸۴ پر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کے مکاتیب ہر سہ اجزاء "مکتوبات امام ربانی" کی ایک طرح سے شرح اور تفصیل اور علوم و نکات کا ایک خزانہ ہے، آپ کے حالات و کمالات کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

سلطان محی الدین اورنگ زیب کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا، اور آپ ہی کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین نے اس کی سلوک میں تربیت کی، آپ نے اس کو ہندوستان کا مسلمان حکمراں بننے اور اکبری اثرات سے پورے طور پر پاک کرانے کے لئے تیار فرمایا تھا، اور آپ اس کو اپنے مکتوبات میں "شہزادۂ دین پناہ" کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو۔[۱]

چوتھے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے، امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال کی تھی، تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی، وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔[۲]

(باقی ص ۱۸۳ کا) اس وقت بھی اس سلسلہ کے مشائخ شام و عراق، ترکی اور کردستان میں موجود ہیں، راقم سطور نے ان میں سے متعدد کی زیارت کی ہے ان میں شیخ ابراہیم غلاییني، شیخ ابو الخیر میدانی، شیخ محمد نبہان، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

[۱] کتاب کے آخر میں آپ کا مستقل تذکرہ (نزہۃ الخواطر) سے ماخوذ و مقتبس ملاحظہ ہو۔

[۲] بھوپال کے حضرت شاہ رؤف احمد اور ان کے پوتے حضرت شاہ پیر ابو احمد اور ان کے پڑپوتے حضرت شاہ محمد یعقوب انہی کی اولاد میں ہیں۔

باب پنجم

حضرت مجدد کے دائرۂ "تجدید" کا مرکزی نقطہ

نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جنکی گیارھویں صدی (جس سے الف ثانی ہزارۂ دوم کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے،[۱] اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے،[۲] اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے

---

[۱] جس پر کتاب کے پہلے دو ابواب میں اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے۔

[۲] سنن ابی داؤد کی مشہور روایت ہے "ان الله عزوجل يبعث لهذه الامة على رأس كل مئة سنة من يجدد لها دينها" (اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا (ابو داؤد وغیرہ) اس حدیث کی شرح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "جامع المجددین" (از مولانا عبد الباری ندوی) پر مولانا سید سلیمان ندوی کا فاضلانہ مقدمہ ص ۱۶-۲۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے، اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح و فکر اسلامی کی جلا و تازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدِ باب اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتقاد و اعتماد بحال کرنا، ریاضت و اشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدا رسی کی کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو، "ہمہ اوست" اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو و مبالغہ اور اشاعت و مقبولیت کے نقطۂ عروج پر پہونچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا ہو رہا تھا، اور اس کے متوازی "وحدۃ الشہود" کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں پیش کرنا، بدعات (جنھوں نے ایک مستقل تشریع کی شکل اختیار کر لی تھی) کی کھلی ہوئی تردید و مخالفت حتیٰ کہ "بدعت حسنہ" کے وجود سے بھی انکار، اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کے جمانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے، اور ہندوستان میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجہ میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویج کتاب و سنت ان کی تفہیم و ترجمانی، اور ان کے سلسلۂ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ و تربیت باطنی، اصلاح عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد و سعیِ اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شجر اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا، بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (بالخصوص علم حدیث) اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا۔

لیکن اس عظیم و وسیع تجدیدی دائرۂ عمل کا نقطۂ مرکزی اور حضرت مجدد کا وہ اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا جس کو ان کے سارے تجدیدی کارناموں پر اولیت و فوقیت حاصل ہے؟

لوگوں نے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اس کا جواب دیا ہے۔ ع

وللناس فیما یعشقون مذاھبُ

ان میں تین گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ا۔ ایک گروہ جو کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لئے دوبارہ بازیاب کیا، اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود میں جانے کے بجائے دوبارہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور دین حجازی کی تولیت و نگرانی میں دیا اور اس کو گیارہویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) کی اہم صدی میں اس انجام اور حشر سے بچا لیا جو اس کا تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ہونے والا تھا، بلکہ درحقیقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس ہمہ گیر اعتقادی، ذہنی، اور تہذیبی ارتداد کے فوری خطرہ سے محفوظ کر دیا جو اکبر کی جیسی باعزم اور قوی الارادہ شخصیت اور اس کے یگانۂ روزگار مشیروں (ملا مبارک، فیضی اور ابوالفضل) کی ذہانت سے ایک امر واقعہ بن کر سامنے آ گیا تھا، یہ معنوی و روحانی انقلاب اور یہ ذہنی و تہذیبی ارتداد اس سیاسی زوال اور اقتدار کے خاتمہ سے کہیں زیادہ سنگین، دیرپا اور دور رس تھا، جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کی نوخیز غیر مسلم طاقتوں کے ابھرنے سے اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریزوں کے تسلط اور اقتدار سے پیش آیا، شاید اقبالؒ نے اپنے اس مشہور شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُراز اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ انداز، اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا، اور سلوک و طریقت کے حلقہ میں شریعت سے استغناء بلکہ کہیں کہیں انحراف، اور ریاضت و مجاہدہ اور باطنی حواس اور طاقتوں پر کُلّی اعتماد کا جو فتنہ شروع ہوگیا تھا، اور جس کا (جوگ اور سنیاس کا ایک اہم مرکز ہونے کی بنا پر) ہندوستان سب سے بڑا نشانہ تھا رک گیا، اور ان کے بعد پھر کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ "شریعت و طریقت کے کوچے الگ الگ ہیں، اور طریقت پر شریعت کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے"۔

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے، جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے "وحدۃ الوجود" کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی، اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے اس سیلاب کو روک دیا، بلکہ اس کا منہ پھیر دیا جس نے آخری صدیوں میں پوری علمی و روحانی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور جس کے خلاف کسی پڑھے لکھے آدمی کا لب کشائی کرنا بھی اپنی جہالت کا ثبوت دینا اور نصف النہار میں دن ہونے کا انکار کرنا تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنے معرکۃ الآراء مضمون "ہزارۂ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" میں صحیح لکھا ہے کہ:۔

"وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی فنی نکتہ نوازیوں یا شریعت و طریقت کی مُلّایانہ و صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے ہیں کہ آج حضرت قدس سرہ العزیز کو

مجدد الف ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی امر مہم پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔"[1]

نبوت محمدی اور اس کی ابدیت اور ضرورت پر اعتماد کی بحالی

لیکن حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلوے میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کی تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں، اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہوجاتے ہیں، وہ نبوتِ محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر امت میں اعتقاد و اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے، جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا، شاید یہ اس لئے بھی کہ اس کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور اس کے خلاف کوئی منظم تحریک یا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا۔[2]

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدباب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لئے تیار تھے، ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں، جنھوں نے نبوتِ محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا، اور اعلان کیا تھا کہ "نبوتِ محمدی کا ایک ہزار سالہ دور ختم ہوا، اور اب نئی رہنمائی

۱؎ "تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ" مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۷

۲؎ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وضاحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے یہاں ملتی ہے، خاص طور پر ان کی جلیل القدر کتاب "النبوات" اور "نقض المنطق" اور "الرد علی المنطقیین" ہیں، لیکن وہ چیز بھی اشارات و اجمال سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ تکمل مقام مقال۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زندگی کی تشکیل جدید اور آئین سازی کا وہ دور شروع ہونے جا رہا ہے جس کی اساس عقلیت و فلسفہ پر ہوگی جس کی قیادت محمود پسیخوانی اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں اور جس کا مرکز ایران و ہندوستان ہوگا۔[1] ان فتنوں میں اکبر کا "دین اکبری" اور "آئین جدید" بھی شامل ہے، جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا، دینی زندگی، اعمال و عبادات، اور معاشرہ و تمدن کی وہ دینی بدعات بھی داخل ہیں، جو ایک متوازی شریعت بنتی جا رہی تھیں، اور جن کی ایک مستقل "فقہ" مدون ہو رہی تھی، اور وہ بھی درحقیقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے لئے ایک چیلنج اور منصب تشریع کی مدعی تھی۔

اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے، جو اپنے داعیوں اور علمبرداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا، اور جس کے متعلق اس کے غالی معتقدین بھی اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالاعلان تبلیغ کی، اور آپ نے صحابۂ کرام کو اور صحابۂ کرام نے اپنے بعد کے لوگوں کو اس کی دعوت دی، یہ فلسفہ اور دعوت بھی نبوت کی پیش کی ہوئی دعوت، اس کی واضح تعلیمات اور اس کے مقاصد کا (دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر) حریف بنتی جا رہی تھی اور اس کو جس قدر کامیابی حاصل ہوتی تھی، اور اس کی جڑیں دل و دماغ اور اسلامی معاشرہ میں پیوست ہوتی جاتی تھیں، احکام شریعت پر عمل کرنے، اسلام کے واحد دینِ حق اور ذریعۂ نجات ہونے کے عقیدہ میں ضعف پیدا ہوتا اور الحاد و زندقہ، حریت و اباحیت تعطل و بے عملی کے لئے راہیں کھلتی تھیں، خواہ اس کے محتاط و متقی قائل صوفیہ و مشائخ خود شریعت کے کتنے ہی پابند اور اس کا کتنا ہی احترام

[1] ملاحظہ ہو کتاب کا باب اول۔ مضمون "دسویں صدی کا فتنۂ کبراے"۔

کرتے ہوں، اور اس طرز عمل کے کتنے ہی مخالف ہوں۔

اس ضمن میں فرقۂ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے، اور جو امام کی ایسی تعریف کرتا ہے، اور اس کے ایسے صفات و خصوصیات بیان کرتا ہے، جو اس کو قریب قریب نبی کا ہمسر و مساوی بنا دیتی ہیں[1] اسی طرح صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کے متعلق ایسی رائے رکھتا ہے جس سے ذات نبوی کی تاثیر صحبت اس کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری پر دھبہ آتا ہے، اور جو "ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ" کے منافی ہے[2] اس فرقہ کے اثرات مختلف سیاسی و علمی وجوہ سے ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہے تھے، اور مسلم معاشرہ (جس کی

[1] فرقۂ امامیہ کی معتبر کتابوں سے "امام" کے بارے میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "امام ظاہراً و باطناً معصوم عن الخطا و طاہر و مطہر ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اس کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوتا ہے، اس کو متعلقات شریعت کا علم محیط (جس سے کوئی چیز خارج نہیں) علم لدنی کے طور پر حاصل ہوتا ہے، اور وہ قیامت تک اللہ کی حجت کے طور پر ہر زمانہ میں ظاہر ہوگا، (مقتبس از کتاب الشافی للشریف المرتضیٰ، تلخیص الشافی للطوسی، واصل الشیعۃ واصولہا للعلامۃ الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء)۔

علامہ محمد ابو زہرہ اپنی فاضلانہ کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیۃ (ج ۱) میں ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فرقۂ امامیہ کے تمام علماء اس پر متفق ہیں ان کے نزدیک "امام" کے مرتبہ کے نبی کے مرتبہ کے قریب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں انھوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ "وصی" اور "نبی" میں صرف اتنا فرق ہے کہ "وصی" پر وحی نہیں آتی" (ص ۵۹)

[2] سورۂ جمعہ آیت ۲ (ترجمہ) وہ پاک ذات جس نے ناخواندوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (ان کے اخلاق و نفوس کو) سنوارتا اور بناتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثریت سنی العقیدہ تھی) اس کے عقائد تصورات، افکار و خیالات اور رسوم و عادات سے گہرے طریقہ پر متأثر ہو رہا تھا۔

اس طرح انھوں نے "نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید" کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری اور پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی و ایرانی فلسفہ اور مصری[1] و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کئے تھے، ایک تیر سے ان سب فتنوں کو شکار کیا، جن کا مسلمانوں کا ذہین طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا۔

عقل و کشف کا غیبی اور مابعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہنا

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل و کشف دونوں کو "غیبیات" ماوراء عقل علوم، ذات و صفات الٰہی کی صحیح معرفت، لاریبی علم اور قطعی الثبوت حقائق کے یقینی ادراک سے عاجز اور قاصر ثابت کیا، اور یہ کہ ان کے حاصل کئے ہوئے نتائج شک و ریب اور خطاء، لغزش اور غلط فہمی سے مبرّا نہیں، اللہ کی معرفتِ صحیح انبیاء ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جس طرح "عقل" کا مرتبہ "حواس" سے ماوراء ہے، اسی طرح "نبوت" کا مرتبہ "عقل" سے ماوراء ہے، خدا کی تعظیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، معرفت الٰہی میں عقلائے یونان نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، اور مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں، جس طرح عقل خالص اور عقل مجرد کا وجود نہیں، کشف خالص اور کشف مجرد بھی، (جو اندرونی خواہشات اور خارجی اثرات سے محفوظ ہو) نہایت دشوار بلکہ عنقا صفت ہے، اور اہل اشراق و صفائی نفس نے اسی طرح ٹھوکریں کھائی ہیں، اور وہم و جہالت کا شکار ہوئے ہیں، جیسے مدعیان عقل و فلسفہ، عقل و اشراق دونوں حصول الیقین

---

[1] مصر افلاطونیت جدیدہ (NEO PLATIONISM) کا بڑا مرکز تھا، جس میں فلاطینس (POLOTINUS) پارفری (PARPHYRY) پراکلس (PROCLUS) وغیرہ پیدا ہوئے اور ایک نئے مذہب "افلاطونیت جدیدہ" کی بنیاد پڑی۔

اور وصول الی اللہ کے لئے ناکافی ہیں، بعثت ہی اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔

انھوں نے اعلان کیا کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں، اور وہ بھی داخلی عقائد و مسلّمات اور خارجی عوامل و اثرات سے متأثر ہوتی ہے، اور اس کے بہت سے فیصلے اور نتائج ان خارجی رنگوں سے رنگین و ممزوج ہو کر سامنے آتے ہیں، جو اس کے اندرون و بیرون میں پائے جاتے ہیں، انھوں نے ثابت کیا کہ عقل حجت ہونے میں ناقص ہے، حجت کامل انبیاء کی بعثت ہے، بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن ہی نہیں۔

انھوں نے صفائی نفس اور صفائی قلب میں حدِ فاصل قائم کی اور دونوں کا فرق بتایا، انھوں نے ثابت کیا کہ انبیاء کی رسالت کا تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے، انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا نبوت کا انکار ہے، انھوں نے اس نکتہ کی وضاحت کی کہ مخالف عقل ہونا اور چیز ہے، اور ماورائے عقل ہونا اور چیز۔

مجدد صاحب کی یہ تحقیقات جو عقل و کشف دونوں پر مبنی ہیں، اور جن میں تائید الٰہی اور مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کیا ہوا نور شامل ہے، علمی و روحانی دنیا میں ہلچل ڈال دینے والے، فکر و تعقل کا ایک نیا دروازہ کھولنے والے، عقلی و علمی دنیا کے بہت سے رائج الوقت سکوں کو کھوٹا ثابت کرنے والے، نبوات و شرائع سماویہ کی صداقت و عظمت کا اعلان کرنے والے، اور ان پر از سرِ نو اعتماد بحال کرنے والے علوم و معارف اور ایک ایسا تجدیدی و انقلابی اور علمی و تحقیقی کارنامہ ہے، جو تنہا اس وقت کے نظام تعلیم، علمی ماحول اور دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ ان میں وہ باتیں کہی گئی ہیں، جن میں سے بعض تک فلسفہ اور فکر کی دنیا صدیوں کے بعد پہونچی ہے، اور جن کی صداقت پر بالآخر علم اور روحانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجربہ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے یہ محض اس تائید الٰہی اور ہدایت ربانی کا کرشمہ تھا، جس نے ان کو ہزارۂ دوم کے آغاز پر تجدید دین اور نبوت و شریعت محمدی کے دفاع کے لئے انتخاب کیا، اور اس اخلاص، حمیّت دینی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کا فیض جس پر وہ شروع سے گامزن تھے۔

اس اجمال کی تفصیل اور ان اشارات کی توضیح کے لئے اس پس منظر اور صورت حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس میں ان تحقیقات کی قدر و قیمت پورے طور پر واضح ہو گی۔

بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ

دین و دنیا کے اہم ترین اور اولین سوالات جن کے صحیح جواب پر اس زندگی کی درستی اور صحیح انتظام اور آخرت کی نجات کا دارومدار ہے یہ ہیں کہ دنیا کا بنانے والا کون ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے، اور ہمارا اس سے کیا اور کیسا تعلق ہونا چاہئے؟ اس کی پسندیدگی اور خوشی کی چیزیں کیا ہیں اور ناپسندیدگی اور ناراضگی کی کیا؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے، اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

ان سوالات کے جواب کی تفصیل میں اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال، عالم کے حدوث و قدم، آخرت، جنت، دوزخ، وحی اور فرشتوں کے وجود کی بحث اور بعض وہ دوسرے مابعد الطبیعاتی مباحث پیش آجاتے ہیں، جو عقائد اور مذہب کے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب اور ان مسائل کے حل کے عموماً دنیا میں دو تجربے کئے گئے ہیں، ایک عقلی دوسرا اشراقی، پہلے کا نتیجہ فلسفہ ہے اور دوسرے کا نتیجہ اشراقی تصوف۔

لیکن اصولی اور تنقیدی حیثیت سے یہ دونوں تجربے اور کوششیں بنیادی طور پر غلط اور چند ابتدائی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں، مکتوبات کے اقتباسات سے پہلے تمہید کے طور پر اس کی مختصر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔

عقل محض اور کشف خالص کی تنقید کا انقلابی کارنامہ

عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (اکتشاف و تحقیق اور استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج ہے، اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے، اور اپنے ذخیرۂ معلومات اور مبادی و مقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کر کے وہ اس نتیجہ تک پہونچے جو اس کو ابھی تک حاصل نہیں تھا، اور محض حواس و تجربہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہو گی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انھیں حقیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہونچی ہے، جو بلا کسی عقلی اور علمی ترتیب کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہونچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے حواس قطعاً کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس کے پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ و تجربہ نہ ہو اور جہاں قیاس کی بنیادیں موجود نہ ہو، وہاں اس کی عقل و ذہانت اور اس کا قیاس کیا کام کر سکتا ہے؟ وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا، اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہین آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا اور وہ اس کے حروف تہجی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ALPHABET) سے بھی نا آشنا ہے کتنا ہی ذہین اور جینیس (عبقری) ہو اور ہزار عقل و قیاس اور عرق ریزی سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا، بعینہٖ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اس کے مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں، نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت اور اس کا عمل محدود ہے، اس کا ایک دائرہ ہے، جس سے وہ باہر نہیں جا سکتی، جس طرح انسان کے حواس کے علاحدہ علاحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے، حاسۂ بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہو سکتا ہے، لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کر سکتا، اسی طرح دوسرے حواس، پھر اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرۂ عمل میں بھی ان حواس کی قوت اور ان کا عمل غیر محدود نہیں۔

اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان حواس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے، لیکن بہرحال محدود ہے، ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ میں:۔

"عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی دروغ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الٰہی، اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے، یہ لاحاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔"[1]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۷۳

تیسری بات یہ ہے کہ عقل میں پوری بے آمیزی اور اس کے فیصلوں اور نتائج میں مکمل غیر جانبداری بہت مشکل ہے، اہل حقیقت جانتے ہیں کہ "عقل خالص" اور "عقل مجرد" سے زیادہ عنقا صفت چیز دنیا میں مشکل سے کوئی ہوگی، جذبات و خواہشات، ماحول، خاص تعلیم و تربیت مخصوص اعتقادات و نظریات، وہم و خیال، سہو و نسیان کے اثر سے وہ مشکل سے آزاد ہوتی ہے، اس لئے اس کے فیصلوں میں ہمیشہ صداقت اور اس کے نتائج میں قطعیت پیدا ہونا اتنا آسان اور عمومی نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ فلاسفہ نے ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موضوع کے تعین میں غلطی کی اور خدا کی ذات و صفات اور اس کے متعلقات پر بلا کسی سامان و اسباب اور بلا کسی علم و روشنی کے ایسی تفصیل و تدقیق اور ایسے وثوق و علم سے بحث کی جو ماہر کیمیا اپنے کیمیاوی تجربوں اور تحلیل و تجزیہ کے بعد کرتا ہے، ان کے یہ مباحث و تحقیقات تمام تر مفروضات تخمینات اور خیالی طلسمات کا مجموعہ ہیں، اور محض قیاس پر مبنی ہیں، یہ "الٰہیات" کا ایک اچھا خاصا "طلسم ہوشربا" اور "فسانۂ عجائب"[1] ہے، جس کا کچھ نمونہ آئندہ آئے گا۔

اس عقلیت و فلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش ہے جس کا نام "اشراق" ہے، اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے عقل، علم اور برہان و استدلال مفید نہیں، بلکہ مضر ہیں، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے، اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک اندرونی حاسہ کو بیدار کرنے سے ممکن ہے، جو روحانیات اور ماوراء طبیعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے، جس طرح یہ ظاہری آنکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں، اور یہ حاسہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے، حقائق کی تحصیل اسی خالص و بے آمیز

---

[1] اردو کی دو مشہور افسانوی کتابیں جو انیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضتوں نفس کشی، مراقبہ اور تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان میں یہ حاسۂ باطنی موجود ہے، ممکن ہے ایسے اور دوسرے حواس بھی ہوں لیکن بہر حال یہ ایک انسانی حاسّہ ہی ہے اسی طرح کمزور اور محدود، خطا پذیر اور متاثر ہونے والا جس طرح انسان کی ساری طاقتیں اور انکشاف علم کے سارے ذرائع، اس کے محسوسات اور مشاہدات میں بھی غلطی اور خود فریبی ہوتی ہے، جیسے دوسرے حواس کے نتائج میں ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل اشراق و مشاہدہ کے مکاشفات وتحقیقات میں وہ عظیم الشان تعارض وتناقض اور بڑے بڑے اہم مسائل میں لغزش اور غلط روی ممکن نہ ہوتی، جو غیر مسلم اور مسلمان اشراقیوں کے یہاں ملتی ہے۔[1]

بہر حال عقل کی طرح اس "عقل خاص" کا خالص ہونا بھی بہت مشکل ہے، اس پر بھی اسی طرح خارجی اثرات اور ظاہری اور باطنی چیزوں کا عکس اور پرتو پڑتا ہے، اور یہ آئینہ بھی حقیقت کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا، اشراقیوں کے ماحول، ان کے عقائد و مسلمات کا ان کے مشاہدات پر بھی اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے حکمائے اشراق کو اپنے کشف و مشاہدہ میں بہت سے ان یونانی اور مصری اوہام وخیالات کی تائید نظر آتی تھی جن کا کوئی سر پیر نہ تھا اور بہت سے ایسے مفروضات حقیقت بن کر نظر آتے تھے جن کا عالم خارجی میں کہیں وجود نہیں۔[2]

پھر جس طرح مندرجہ بالا سوالات فلسفہ کے موضوع وحدود سے خارج ہیں، اسی طرح

[1] تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب و تمدن" باب اول عنوان "اشراقیت"۔

[2] ملاحظہ ہو "مذہب وتمدن"۔

اشراق کے حدود سے بھی، اس سے صرف عالم ارواح کے اسرار و عجائبات کی سیر ہوتی ہے، کچھ صورتیں نظر آتی ہیں، کچھ رنگ نظر آتے ہیں، کچھ آوازیں سننے میں آتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے منشا کا تفصیلی علم، اس کے قوانین شریعت، عالم آخرت کی منزلیں، اور اس کے احوال سے وہ اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح عام انسان۔

درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے، دونوں حقیقت کو اپنی کوشش سے پیغمبروں کے واسطہ کے بغیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، منزل دونوں کی ایک ہے، طریقۂ سفر مختلف ہے ایک ہوا میں اڑ کر (خیالی پرواز سے) وہاں پہونچنا چاہتا ہے، اور ایک کسی مخفی زمین دوز راستہ سے (روحانی طریقہ سے)۔

لیکن حقیقت اور علم کا لُبّ لباب یہ ہے کہ یہ حقائق پیغمبروں کے واسطہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے، جن کو اللہ منصب رسالت سے سرفراز فرماتا ہے، ان کو اپنی ذات وصفات اور "ملکوت السموٰت والارض" زمین وآسمان کی بادشاہی کا سب سے بڑا علم بخشتا ہے، اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی اور احکام کا براہ راست علم عطا کرتا ہے، اور ان کو اپنے اور انسانوں کے درمیانی واسطہ بناتا ہے، ان کی رسالت ونبوت دنیا کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، ذات وصفات الٰہی کا جو عظیم الشان علم وہ بلا زحمت اور بلا قیمت عطا کرتے ہیں، اس کے ایک ذرہ کو بھی ہزاروں برس کی فلسفیانہ غور وفکر اور بحث واستدلال اور سالہا سال کے مجاہدہ ومراقبہ وتزکیۂ نفس سے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ "ذالک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون"۔

یہ بالکل صحیح فرمایا کہ "ولکن اکثر الناس لا یشکرون" فلاسفہ اور حکمائے اشراق اس نعمت نبوت کی ناقدری وناشکری کرتے ہیں، اور ان حقائق تک اپنی محنتوں سے پہونچنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتے ہیں، جن سے اللہ نے ان کو مستغنی کیا تھا، ہزاروں برس کی ان کاوشوں اور مجاہدوں کا نتیجہ وہ متعارض و متناقض اور مضحکہ خیز اقوال و تحقیقات ہیں، جو "الٰہیات" کا سرمایہ ہیں، اور جنھوں نے اپنے مشتغلین اور متبعین کو خدا سے بجائے قریب و متعلق کرنے کے خدا سے اور زیادہ دور اور اس کی ذات و صفات سے ناآشنا اور اس سے بیگانہ اور مستغنی کیا.......

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ"

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و روحانیت دونوں کوچوں سے اچھی طرح واقف ہیں، دوسری طرف علوم نبوت کے وارث اور وحی و رسالت کے مرتبہ شناس ہیں، آپ نے حکماء اور اشراقیوں کے اس طرز عمل کی بڑی مبصرانہ تنقید کی ہے، جو آپ کی جامعیت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے، یہ مبحث آپ کی تجدید کا مرکزی و بنیادی شعبہ ہے، اس لئے کہ پوری شریعت الٰہی اور پورے نظام دینی کی بنیاد اسی بحث کے فیصلہ پر ہے کہ علم قطعی اور حصول یقین کا ذریعہ اور سرچشمہ اور انسان کے لئے اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اپنے آغاز و انجام اور اپنی فلاح و نجات کے ضروری علم کا صحیح مأخذ کیا ہے؟ آیا وہ غور و فکر اور عقلی بحث و استدلال (جس کا نمائندہ فلسفہ ہے) یا اندرونی روشنی، نفس کشی... صفائی اور مشاہدہ اور علم جو باطنی حواس اور روحانی طاقتوں سے حاصل ہوتا ہے جس کو "حکمت اشراق" کہتے ہیں، یا ان دونوں کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی تقلید اور ان پر ایمان، یہی وہ نقطۂ آغاز ہے، جہاں سے راستے ایک دوسرے سے کٹ کر تین مختلف سمتوں کی طرف جاتے ہیں، اور جو آگے جا کر پھر کہیں نہیں ملتے "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝"

اس سلسلہ میں مجدد صاحب کے قلم سے جو نادر تحقیقات اور اعلیٰ علوم و معارف نکلے ہیں،

اور ان کے مکتوبات کے ضخیم دفتر میں منتشر ہیں، ان کا ترجمہ مختلف عنوانوں کے ماتحت پیش کیا جاتا ہے۔

عقل کا عجز، صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں

"اس اللہ کا شکر ہے، جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات و صفات کی خبر دی ہے، اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ سے اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہے، اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے دنیوی اور اخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرمادیا ہے، اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کارخانۂ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں درماندہ ہوتیں، اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچاننے میں عاجز و ناکام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے، عالم کے بنانے والے کے منکر تھے، اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں نمرود کا مباحثہ حضرت ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے، اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، فرعون بدبخت کہتا تھا، "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ" (اے اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم و معبود کا علم نہیں) نیز اس نے حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کر کے کہا "لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ" (اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھہرایا تو میں تم کو بھی قیدی بنا دوں گا) ہامان سے اسی بدبخت نے کہا "یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا"[1] (اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل تیار کر تا کہ میں پہونچوں رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانک دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میں تو اس کو خیال کرتا ہوں جھوٹا) خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے"۔[2]

معرفت الٰہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں

خالق و مدبر کائنات کے وجود جس کو فلاسفۂ یونان مبدأ اول کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور اس کے عمل خلق اور کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق ان فلاسفہ نے جو عقلی موشگافیاں کی ہیں، اور تخیلات و مفروضات کا جو نقشہ تیار کیا ہے، اور پھر اس ہوائی بنیاد پر جو فلک بوس عمارتیں تعمیر کی ہیں، ان کی تشریح و تفصیل تو فلسفہ کی کتابوں میں اور ان پر تبصرہ و تنقید عقائد و علم کلام کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

لیکن حضرت مجدد کے افکار و علوم عالیہ کے سمجھنے کے لئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان تخیلات و مفروضات کی تردید میں جو محض یونانی ذہن کی تخلیق اور قوت متخیلہ کی ایجاد ہے، ان کے قلم میں اتنا زور اور ان کے بیان میں اتنا جوش کیوں پیدا ہو جاتا ہے، عقل فعال کا جو فلاسفۂ یونان کے نزدیک درحقیقت عالم کی مدبر اور کائنات کے اندر موثر ہے "نسب نامہ" پیش کر دیا جاتا ہے جو ان حکماء نے تجویز کیا ہے اور جس پر انھوں نے سارے خلق و امر کی

[1] سورۂ مومن ـ ۳۶ ـ ۳۷ [2] مکتوب ۲۳/۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

بنیاد رکھی ہے، اس کے ایک ایک نقطہ پر موافق اور مخالف دلائل کا انبار ہے، لیکن یہاں صرف فہرست شجرہ پر اکتفا کی جاتی ہے:۔

"مبدأ اول (واجب الوجود) چونکہ تمام وجوہ سے واحد ہے اور یہ مسلّم ہے کہ واحد سے صرف واحد کا صدور ہو سکتا ہے، اور عالم مختلف چیزوں سے مرکب ہے اس لئے اس کا صدور اس سے نہیں ہو سکتا، اس کے وجود سے اس کے بلا ارادہ و اختیار اور علم، عقل اول کا اس طرح فیضان ہوا جس طرح چراغ سے روشنی کا فیضان ہوتا ہے، اور انسان کے ساتھ سایہ ہوتا ہے، عقل اول ایک ایسا موجود ہے، جو اپنی ذات سے قائم ہے، نہ تو وہ جسم ہے اور نہ کوئی جسم اس کا محل ہے، اس کو اپنے نفس کی معرفت ہے، اور اپنے مبدأ کی بھی، اس کا نام خواہ فرشتہ رکھا جائے، خواہ عقل اول، خواہ کچھ اور، اس کے وجود سے تین چیزیں لازم آتی ہیں، عقل ثانی اور فلک علیٰ (یا فلک الافلاک) (جو نواں آسمان ہے) کا نفس اور اس فلک کا جرم، پھر عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک کواکب کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر اس عقل ثالث سے عقل رابع اور فلک زحل کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل رابع سے عقل خامس اور فلک مشتری کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل خامس سے عقل سادس اور فلک مریخ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سادس سے عقل سابع اور فلک شمس کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سابع سے عقل ثامن اور فلک زہرہ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل ثامن سے عقل تاسع اور فلک عطارد کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل تاسع سے عقل عاشر اور فلک قمر کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، یہی عقل اخیر ہے جس کا نام عقل فعال ہے، اس سے فلک قمر کا حشو لازم آیا جو ایک مادہ ہے، جو عقل فعال اور طبائع افلاک کے اثر سے کون و فساد کو قبول کرتا ہے، پھر ان مواد میں کواکب کی حرکات کے سبب مختلف طرح کے امتزاج ہوتے ہیں، جن سے معادن، نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں، یہ عقول عشرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور افلاک تسعہ ہیں"۔

یہ دراصل یونانیوں کا وہ علم الاصنام ہے جس کا نام انھوں نے فلسفہ اور الٰہیات رکھ دیا' اور لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور مباحثہ شروع کر دیا یا محض فرضی داستان گوئی اور افسانہ آرائی ہے جس پر بے اختیار قرآن کی یہ آیت یاد آتی ہے:۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	میں نے ان کو آسمان وزمین کی پیدائش پر اور
وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ	خود ان کی پیدائش پر گواہ نہیں بنایا اور میں
الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝	گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے
(الکہف ۵۱)	والا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ نے (اس نقشہ کو نقل کرنے کے بعد) سچ لکھا ہے کہ "یہ محض دعاوی و تحکمات ہیں، بلکہ درحقیقت "ظلمات فوق ظلمات" تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں، اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب ہی دیکھنا بیان کرے تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی"[1]۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں "مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ عقلاء جو اپنے خیال میں معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہوں"[2]۔

ان فلاسفہ نے اللہ سے تمام صفات کمال اور تمام مخلوقات کی خلق و صنعت کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و غیر مختار ثابت کیا اور یہ سب اپنے نزدیک ذات واجب الوجود کی تعظیم و تنزیہ کے لئے کیا، امام غزالیؒ اس موقع پر بے اختیار ہو کر لکھتے ہیں:۔

"جو اس پر قانع ہو کہ اللہ کے بارے میں اس کے قول کا حاصل یہ مرتبہ ہو تو اس نے اس کو ہر اس موجود سے بھی زیادہ حقیر قرار دیا جس کو اپنے نفس کا بھی شعور ہے اس لئے کہ جس کو دوسرے کا

[1] تہافت الفلاسفہ ص۳۰ [2] ایضاً ص۳۳

اور اپنا شعور ہوگا وہ اس مرتبہ میں بلند ہوگا جس کو اپنے سوا کسی چیز کا شعور نہ ہو، تعظیم میں یہ موشگافی ان کو یہاں تک لے گئی کہ انھوں نے عظمت کے تمام معانی اور مفہومات کو باطل کر دیا اور اس کو ایسے مردہ کے درجہ کو پہونچا دیا جس کو کچھ خبر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے' بس صرف اتنا فرق ہے کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو یہ بھی نہیں ہوتا) اللہ اس طرح لوگوں کو سزا دیتا ہے، جو اس کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں' اور ہدایت کے راستہ سے کترا کر چلتے ہیں' اللہ تعالے کے اس قول "مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر گواہ نہیں کیا) کے منکر ہیں' جو اللہ کے ساتھ بد گمان رکھتے ہیں' جن کا اعتقاد ہے کہ امور ربوبیت کی حقیقت و گہرائی کو انسانی طاقتیں پورے طور پر پا سکتی ہیں' جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں' جن کا خیال ہے کہ عقل کے ہوتے ہوئے انبیاء اور ان کے متبعین کی تقلید کی ضرورت نہیں' اس کا لامحالہ نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے "معقولات" کا لب لباب وہ نکلا کہ اگر خواب کے طور پر بھی بیان کیا جائے تو تعجب ہو"[1]۔

ان سب چیزوں کو دیکھ کر نعمت رسالت کی قدر آتی ہے کہ "مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ" یہ عقل کی بے بسی اور عقلاء و حکماء (جن کی حکمت و عقل علوم ریاضیہ اور علوم عملیہ میں کامیاب ہوئی) کی ان مسائل الٰہیہ میں ناکامی کا پُرعبرت نمونہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف کس طرح ان چیزوں کی نسبت کی جن کی نسبت وہ اپنی طرف اور حقیر ترین مخلوقات کی طرف پسند نہیں کرتے اور اس کو کس طرح معطل، بے اختیار اور لاعلم قرار دیا، اور اس کو اس کی تعظیم کا عین تقاضا سمجھا "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"۔

[1] تہافت الفلاسفہ ص۳۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب حضرت مجدد کے مندرجہ ذیل ارشادات پر نظر ڈالئے جو ان کے مختلف مکاتیب سے اقتباس کئے گئے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"عقل اگر معرفت الٰہی کے مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنھوں نے عقل کو اپنا مقتدیٰ بنایا ہے گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے، اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہ کو بیکار و معطل سمجھ لیا اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے اس کو کسی چیز کا فاعل اور خالق نہیں مانتے اور وہ بھی (ان کے خیال کے مطابق) اس سے اضطراراً نہ کہ اختیاراً وجود میں آئی ہے، انھوں نے اپنی طرف سے عقل فعال تراشی ہے، حوادث کو زمین و آسمان کے خالق سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اثر کو مؤثر حقیقی سے روک کر اپنی تراشیدہ چیز (عقل فعال) کا اثر مانتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک معلول علت قریبہ کا نتیجہ ہوتا ہے، علت بعیدہ کے لئے معلول کے حصول میں وہ کوئی دخل و اثر نہیں مانتے، اور اپنی نادانی سے ان اشیاء کی اللہ کی طرف نسبت نہ ہونے کو اللہ کی صفت کمال جانتے ہیں، اور اس کو بیکار و معطل ماننے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کو خود زمین و آسمان کا خالق کہتا ہے، اور "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَرَبُّ الْمَغْرِبِ" کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔

ان بے عقلوں کو اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج نہیں، اور نہ اس کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے، مجبوری اور ضرورت کے وقت چاہئے کہ یہ اپنی "عقل فعال" کی طرف رجوع کریں، اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں، اس لئے کہ اصل قدرت اور اصل اختیار ان کے نزدیک اسی کا ہے، بلکہ "عقل فعال" بھی ان کے خیال کے مطابق اپنا عمل کرنے میں مجبور اور غیر مختار ہے، اس لئے اس سے بھی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہنا غیر معقول بات ہے،

اصل یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "اَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ" (ان کافروں کا کوئی سرپرست اور کارساز نہیں) ان کا بھی کوئی حامی و ناصر نہیں، خدا بھی نہیں اور عقل فعال بھی نہیں، عقل آخر کیا چیز ہے، جو چیزوں کا انتظام کرتی ہے، اور حوادث کے ظہور و خلق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے محض اس کے ثابت ہونے اور اس کی ہستی میں ہزاروں اعتراض و کلام ہیں، کیونکہ اس کا ثبوت و وجود محض فلسفہ کے گڑھے ہوئے مقدمات پر مبنی ہے، جو اسلام کے قواعد صحیحہ کی رُو سے نامکمل اور ناقص ہیں، کوئی احمق ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر و مختار جل شانہ، سے ہٹا کر اسے محض ایک فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کرے گا، بلکہ خود ان چیزوں کو اس بات سے ہزار ہزار ننگ و عار ہے کہ وہ اپنے خلق میں فلسفہ کی ایک تراشی ہوئی بے حقیقت چیز کی طرف منسوب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اپنے نابود ہونے پر راضی و مسرور ہوں گی، اور ان کو موجود ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوگی، اس بات کے مقابلہ میں کہ ان کے وجود کی نسبت ایک بے حقیقت فرضی شیئی کی طرف ہو اور وہ قادر و مختار کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہو جائیں (قرآن مجید میں ہے) "کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا" (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، یہ محض جھوٹ کہتے ہیں) دار الحرب کے کافر اپنی بت پرستیوں کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے مشکل کے وقت التجا کرتے ہیں، اور بتوں کو اس کے حضور میں شفاعت کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکمائے یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب و سنت کے مخالف،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکماء کا ان کو لقب دینا جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں البتہ طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔[1]"

عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی اور ہم کو ہدایت نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ خود ہماری ہدایت نہ کرتا۔ بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے، انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بھیجنے کے احسان کا شکر کس زبان سے بجا لایا جائے، اور کس دل سے اس... محسن کا اعتقاد کیا جائے اور وہ اعضاء و جوارح کہاں ہیں کہ اعمال حسنہ کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی مکافات کی جائے اگر ان حضرات کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ہم کوتاہ فہم انسانوں کو زمین و آسمان بنانے والے کے وجود اور اس کی یکتائی کی طرف کون رہنمائی کرتا، متقدمین فلاسفۂ یونان باوجود اپنی ذہانتوں کے زمین و آسمان کے بنانے والے (جل شانہ) کے وجود کی طرف راستہ نہ پا سکے، اور کائنات کے وجود کو انھوں نے "دہر" (زمانہ) سے منسوب کیا اور جب روز بروز انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت روشن ہوتی چلی گئی، متاخرین فلاسفہ نے ان انوار کی برکت سے قدماء کے مذہب کی تردید کی اور صانع جل شانہ کے وجود کے قائل ہو گئے اور اس کی توحید کا بھی اقرار کیا، پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی امداد کے بغیر اس کام سے بے بس اور ہمارا فہم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے وجود کے توسط کے بغیر اس معاملہ سے دور ہے۔[2]"

---

[1] مکتوب ۲۳/۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

[2] مکتوب ۲۵۹/۱ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید۔

نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے

"نبوت کا طریق عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے جن امور کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان کا ثبوت نبوت کے طریق سے ہوتا ہے اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کس لئے مبعوث ہوتے "صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اجمعین" اور آخرت کے عذاب کو کیوں ان کی بعثت کے ساتھ وابستہ کیا جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا"[1] (ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کسی پیغمبر کو نہ بھیجیں) عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور اپنے حجت ہونے میں کامل نہیں ہے، حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے اور اس نے مکلفین کی زبان عذر بند کر دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا"[2] (پیغمبر جو بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے، انبیاء کی بعثت کے بعد اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے) جب بعض مسائل میں عقل کے ادراک کا عجز اور کوتاہی ثابت ہو گئی، پس تمام احکام شرعیہ کو عقل کی ترازو میں تولنا مستحسن نہیں، ہمیشہ ان مسائل و احکام کو عقل سے مطابق کرنے کی کوشش اور اس کی پابندی عقل کے کافی ہونے کا فیصلہ کرنا ہے اور نبوت کے طریق کا انکار، اللہ ہم کو اس سے پناہ میں رکھے۔[3]"

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل - ۱۵ [2] سورۃ النساء - ۱۶۵ [3] مکتوب ۳۶/۳ بنام میر محمد نعمان۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل کا خالص وبے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں

حیرت انگیز بات یہ ہے (جس کی تائید الٰہی اور اعلیٰ درجہ کی سلامت فکر کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں) کہ اس دسویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) میں جب ساری دنیا پر اور خاص طور پر ایران اور ہندوستان پر فلسفہ و حکمت کی اس تعلیم کے اثر سے جس کا انحصار فلسفۂ یونانی پر تھا اور جس نے افلاطون وارسطو کو مقام تقدس اور درجۂ عصمت تک پہونچا دیا تھا، دماغوں پر عقلیت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ مقدمات عقلیہ سے منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کر دینے پر اور فلاسفۂ یونان نے جن چیزوں کو بدیہی اور قطعی بنایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد زبانیں گنگ اور نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں، بلکہ پرستاران حکمت و عقلیت ان مزعومہ "حقائق" کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

مجدد صاحب نے (ہمارے علم میں کم سے کم علماء اسلام میں) پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی کہ عقل کا خالص وبے آمیز ہونا جسم عنصری کے تعلق اور ماحول میں پھیلے ہوئے اوہام و تخیلات، عقائد و مسلمات نیز باطنی رجحانات اور راسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق و صفائی نفس کی رفاقت و مدد بھی حاصل ہو تب بھی اس کا باطنی و خارجی اثرات تعلیم و تربیت اور معاشرہ یا ماحول میں جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کر لیا ہے، ان کے اثر سے آزاد ہو کر حقیقت نفس الامری تک پہونچنا اور بے لاگ فیصلہ صادر کرنا "الشاذ کالمعدوم" کا حکم رکھتا ہے، اور جس کا کچھ اعتبار نہیں، مجدد صاحب کی یہ تحقیق اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر

زور دینا یہ اس عہد اور ان کے ماحول کے لحاظ ہی سے نہیں، بلکہ علمی و فکری دنیا میں ایک دریافت اور ایک ایسا انقلابی اور جرأت مندانہ اعلان ہے، جس کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر ابھی تک نہیں کیا گیا، حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کو بحث و تحقیق اور شرح و تفصیل کا موضوع بنایا جاتا۔

عجیب توارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دو سو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی ایمنول کانٹ (IMMANUEL KANT. 1724-1804) نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول، ورثہ اور عادات و معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا، اس نے عقل کے حدود کی جرأت و وضاحت کے ساتھ تعیین کی اور ۱۷۸۱ء میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تنقید عقل محض" (CRITIQUE OF PURE REASON) شائع کی،[۱] جس نے دنیائے فکر و فلسفہ میں ہلچل ڈال دی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ میں "روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا"[۲] مغرب میں اس کے اس کارنامہ کی عظمت کا شاندار طریقہ پر اعتراف کیا گیا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کا سب سے بڑا عطیہ تھا، تاریخ فلسفۂ جدید کا مصنف ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ کتاب فلسفہ کا ایک غیر فانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گردیوں میں انگشت رہنما کا کام کیا"[۳]

---

[۱] اس کتاب کا ترجمہ جو اصلاً جرمن زبان میں تھی، "تنقید عقل محض" کے نام سے ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور کامیاب مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے کیا، اور "انجمن ترقی اردو ہند" دہلی نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا۔

[۲] THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM. P.5

[۳] تاریخ فلسفۂ جدید ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جلد دوم ص ۳۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانٹ کے نزدیک فکر اپنا عمل ادعائی طور پر شروع کرتا ہے، اسے غیر ارادی طور پر اور اکثر سادہ لوحی سے اپنے قوتوں اور اپنے مفروضات و مقدمات کی صحت پر اعتماد ہوتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ میں تمام مسائل کو حل کرسکتا ہوں اور کائنات کی کنہ تک میری رسائی ہوسکتی ہے...... اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تعمیرات فکر افلاک تک نہیں پہونچ سکتیں اور ہندسوں میں ان کے نقشوں کے متعلق اتفاق رائے نہیں ہوسکتا، یہ تشکیک کا زمانہ ہے، اس نے دیکھا کہ ابھی ایک ایسا کام باقی ہے، جسے ادعائیین اور تشکیکین دونوں نے نظر انداز کردیا تھا، وہ یہ کہ ہم اپنی عقل اور اپنے علم کی ماہیت کے متعلق تحقیق کریں اور دریافت کریں کہ ہمارے اندر فہم اشیاء کے لئے کس قسم کے صور و قوی پائے جاتے ہیں، اور ان کی مدد سے ہم کہاں تک جاسکتے ہیں[1]۔

اب اس کے بعد ایک مسلمان عالم و مفکر کا (جو ہندوستان کے محدود علمی و مدرسی ماحول میں رہا اور جس نے حکمت و فلسفہ کے بجائے علوم نبوت اور معرفت و رضائے الٰہی کے حصول کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا) عقل خالص کی تنقید میں فلسفہ کے پیچ و خم سے دور رہتے ہوئے، عام فہم و دل نشین بیان پڑھئے۔ مجدد صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "عقل اپنی ذات سے اگرچہ احکام الٰہی میں ناقص و ناتمام ہے، مگر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ صفائی نفس اور تزکیہ کے بعد عقل کو ایک مناسبت اور ذات الٰہی سے ایک بے کیف اتصال پیدا ہوجائے، جس کے ذریعہ سے وہ وہاں سے احکام اخذ کرے اور بعثت کی ضرورت جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے نہ پڑے"!

---

[1] ایضاً صفحہ ۳۰-۳۱۔

تحریر فرماتے ہیں:-

"(جواب) عقل خواہ وہ مناسبت و اتصال پیدا کرے مگر جو تعلق وہ جسم عنصری سے رکھتی ہے، وہ کلیتہً زائل نہیں ہوتا، اور مکمل آزادی و بے آمیزی وہ نہیں پیدا کرسکتی، واہمہ ہمیشہ اس کا دامنگیر رہتا ہے، اور متخیلہ اس کے خیال کو کبھی نہیں چھوڑتا، غصہ اور خواہش کی قوتیں سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں، اور حرص و ہوس کی صفاتِ مذموم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، بھول چوک جو انسان کے لوازم میں سے ہے، اس سے علیحدہ نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو اس زندگی کے خواص میں سے ہیں، اس سے جدا نہیں ہوتے، پس عقل اعتماد کے لائق نہیں، اور اسی کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و تصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں، اور بھول چوک کی آمیزش اور غلطی کے شبہ سے محفوظ نہیں، بخلاف فرشتہ کے جو ان صفات سے پاک ہے، اور ان نقائص سے بری، پس لامحالہ وہ اعتبار کے لائق ہے، اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و غلطی کے شبہ سے محفوظ ہیں، بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ وہ علوم جن کو اس نے روحانی اخذ و تحصیل کے ذریعہ حاصل کیا ہے، قوی اور حواس تک ان کو پہونچانے میں بعض ایسے مقدمات جو اس کے نزدیک مُسلّم ہیں (لیکن غیر واقعی ہیں، اور وہم و خیال یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں) بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح شامل ہوجاتے ہیں کہ اس وقت بالکل اس کی تمیز نہیں ہونے پاتی، دوسرے وقت کبھی اس کا امتیاز عطا ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، پس لامحالہ ان علوم میں ان مقدمات کی شمولیت کی وجہ سے غیر واقعیت اور عدم صداقت کی شکل پیدا ہوجاتی ہے، اور وہ اعتبار کے لائق نہیں رہتے"[1]۔

---

[1] مکتوب ۲۶۶/۱ بنام خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل اشراق وصفائی نفس

حصول یقین علم صحیح، تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس اور اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی تنظیم اور صالح تمدن کی تعمیر کا ایک بے خطا اور معصوم ذریعہ قدیم زمانہ سے اشراقیت وروحانیت کو سمجھا گیا، زمانۂ قدیم میں مصر و ہندوستان اس کا بہت بڑا مرکز تھے، اس تحریک کے فروغ اور اس کی ہر دلعزیزی میں وہ ردّ عمل بھی کام کر رہا تھا، جو ایک طرف غالیانہ عقل پرستی دوسری طرف مجنونانہ حواس پرستی کے خلاف یونان و روم میں پیدا ہو گیا تھا، اور بالآخر اس نے اسکندریہ (مصر) کو جو مشرقی و مغربی عقلیت و مذاہب کا سنگم تھا، اپنا مرکز بنایا۔

اس فلسفہ اور تحریک کے داعیوں اور پیروؤں کا کہنا یہ ہے کہ حصول الیقین وعلم صحیح کا سب سے بڑا ذریعہ مشاہدہ ہے، اور وہ نور باطن صفائی نفس اور باطنی حاسہ کو بیدار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، حقائق کا حصول اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضت، مخالفتِ نفس اور مراقبہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر یہ قول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کے اندر حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹا حاسہ (باطنی) عمل کرنے لگتا ہے، اور اس کے عمل کے نتائج (مشاہدات) غیر مرئی انوار غیر مسموع اصوات اور پہلے سے غیر معلوم حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ حاسہ انسان کے دوسرے حواس کی طرح محدود اور غلطی و غلط فہمی میں مبتلا ہونے والا نہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کے نتائج میں تعارض و تضاد کا وجود اور شک و احتمال نہ پایا جاتا، لیکن اشراقیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس حاسۂ باطنی کے محسوسات اور وہ جن نتائج و عقائد

تک پہونچاتا ہے، ان میں اسی طرح سے تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ فلاسفۂ یونان اور مشرق کے حکماء و عقلیین میں پایا جاتا ہے، اشراقیت قدیم کو چھوڑ کر (جس کی تاریخ محفوظ نہیں) اشراقیت جدیدہ (NEO - PLATONISM) کو لے لیجئے اس کے پیشواؤں کے مذہبی عقائد پر مرتب ہونے والے اعمال میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے، پلاٹینس (PLOTINUS) اپنے زمانہ کے مذہبی نظام اور مروجہ عبادات کا قائل نہیں، اور آزاد مشرب فلسفی ہے، جو عمل کے بجائے تفکر اور مراقبہ پر زور دیتا ہے، لیکن اس کا شاگرد رشید پارفری (PORPHYRY) ایک زاہد خشک صوفی ہے، PLOTINUS انسانی روح کے جانوروں کے جیون میں ظاہر ہونے کا قائل ہے، لیکن PORPHYRY اس کا منکر ہے، اس مسلک کا تیسرا نامور پیشوا پراکلس (PROCLUS) پورے مصری رسوم، دینی و مذہبی تقریبات کا پابند تھا، اور دن میں تین دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا، اس کا مذہب مختلف مذاہب واعتقادات کا معجون مرکب تھا، اور یہ سب اہل مشاہدہ اور یقین تھے۔[1]

PORPHYRY نے مسیحیت کی مخالفت کی اور رومی بت پرستی اور جاہلیت (PAGANISM) کے احیاء کی تحریک میں شہنشاہ روم کی تائید کی، اور اس کو نور باطن نے شرک و بت پرستی کے اس ڈوبتے ہوئے جہاز کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینے سے روکا نہیں۔

مسلمانوں میں بھی جن کو اشراق اور قوت کشفیہ پر پورا اعتماد تھا، ان کے باطنی محسوسات و مکشوفات میں بھی بکثرت تعارض ملتا ہے، ایک صاحب کشف دوسرے صاحب کشف سے اختلاف کرتا ہے، اس کے کشف کو امر واقعی کے خلاف بتاتا ہے، اور کبھی اس کو سکر اور غلبۂ حال پر محمول کرتا ہے، عقول (جن کا ذہن اور کتب فلسفہ کے علاوہ) کہیں وجود خارجی نہیں، ان سے یہ اہل کشف مصافحہ کرتے ہیں، اور ان سے اپنی ملاقات ثابت کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، تصوف

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذہب و اخلاق کا انسائیکلوپیڈیا عنوان (NEO - PLATONISM)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول

ان مسلمان اہل اشراق میں چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کا اشراقی حکیم شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی (۵۴۹ـ۵۸۷ھ) معروف بالمقتول، خاص شہرت رکھتا ہے، جو اپنے مخالف اسلام اور انتشار انگیز عقائد و خیالات کی بنا پر الملک الظاہر کے حکم سے ۵۸۷ھ کو قتل کیا گیا، وہ اپنے کو مشائی و صوفی کہتا تھا، اس کے یہاں مشائی تصورات کے ساتھ بقول (S. V. DEN BERGH) "وہ سارا متصوفانہ فلسفہ موجود ہے جو مسلمانوں نے یونانی نظریۂ تطبیق معتقدات اور اتحاد مذاہب سے اخذ کیا" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مذکورہ بالا مقالہ نگار کے بقول "دراصل یہ نوافلاطونی نظریۂ نور ہے، جس کو اشیاء کی بنیادی حقیقت تصور کیا جاتا ہے"۔[1]

شہر زوری لکھتے ہیں "وہ دونوں فلسفے یعنی فلسفۂ ذوقیہ (اشراقیہ) اور فلسفۂ بحثیہ (فلسفہ مشائیہ) کا جامع تھا" اس کی اہم کتاب "حکمت الاشراق" ہے، جس کی شرح علامہ قطب الدین شیرازی نے کی اور وہ "شرح حکمت الاشراق" کے نام سے علمی و درسی حلقوں میں مشہور ہے۔

شیخ الاشراق کے نزدیک عقول کی تعداد دس میں محدود نہیں بلکہ ہر نوع کے لئے ایک عقل ہے، جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شیخ الاشراق ان کو انوار مجردہ کہتا ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک آسمان ایک زندہ مخلوق ہے، اس میں نفس مجردہ پایا جاتا ہے، جو اس کو حرکت دیتا ہے، وہ عدم و فساد سے محفوظ ہے، آسمان میں نفس ناطقہ پایا جاتا ہے، اس لئے اس میں حواس بھی پائے جاتے ہیں، اس کے نزدیک کل آسمان ایک زندہ مخلوق ہیں، اور انوار عالیہ یعنی عالم مجردات کا

[1] دائرۂ معارف اسلامیہ۔

اثر ان پر ستاروں کے ذریعہ سے پڑتا ہے، اور انہی کے ذریعہ سے قوائے جسمانیہ حرکت میں آتے ہیں سب سے بڑا ستارہ سورج ہے، اشراقیین کے مذہب میں اس کی تعظیم واجب ہے، عالم کائنات میں بالذات و بالواسطہ نور ہی نور کی حکومت ہے، حرکت و حرارت نور سے پیدا ہوتی ہے، اور آگ میں یہ دونوں اوصاف اور عناصر سے زیادہ پائے جاتے ہیں، جس طرح نفس عالم ارواح کو روشن کرتا ہے، اسی طرح آگ عالم اجسام کو روشن کرتی ہے، خدا نے ہر عالم میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کیا ہے، عالم عقول میں عقل اول، عالم افلاک میں ستارے اور ان کے نفس ناطقہ، عالم عناصر میں نفوس بشریہ اور ستاروں کی شعاعیں اور آگ بالخصوص (رات کی تاریکی میں) اس کے خلیفہ ہیں، یعنی اس کی اصلاح و تدبیر کرتی ہے، خلافت کبریٰ انبیاء کے نفوس کاملہ کو حاصل ہوتی ہے، خلافت صغریٰ آگ سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ تاریک راتوں میں وہ انوار علویہ اور ستاروں کی شعاعوں کی قائم مقامی کرتی ہے، غذا اور خام چیزوں کو پختہ کرتی ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک عالم قدیم ہے، زمانہ ازلی و ابدی ہے، وہ تناسخ کا قائل نہیں لیکن اس کا انکار بھی نہیں کرتا (کیونکہ اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل تسلی بخش نہیں ہیں)[1]

اس طرح اپنے وقت کا ممتاز اشراقی حکیم جس نے مشرق میں شیخ الاشراق کا لقب پایا، اور جس کی ذہانت، تبحر علمی اور زہد و تجرد اس کے معاصرین کو بھی تسلیم ہے، اس کو اس کی اشراقیت و صفائی نفس، یونانی مفروضات اور ایرانی و مجوسی مزخرفات کے اختیار کرنے سے باز نہیں رکھ سکی، وہ بعثت محمدی اور اس پر مرتب ہونے والی ہدایت، فلاح دینی و دنیوی اور معرفت صحیحہ سے محروم رہا، اس نے ایک غیر متوازن، انتشار و اضطراب سے بھری ہوئی ناکام زندگی گزاری اور وہ اپنے پیچھے ہدایت اور نفع خلائق کا کوئی نظام چھوڑے بغیر دنیا سے رخصت ہوا۔

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حکمائے اسلام" ج ۲ از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ